© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غلام قاسم مجاہد بلوچ

بلوچوں میں اُردو گوئی کا آغاز: اجمالی جائزہ

پس منظر:

واقعہ کربلا کے کچھ عرصہ بعد بلوچ، حلب وشام سے ہجرت کر کے کیچ مکران اور بلوچستان میں آباد ملتے ہیں۔ کیچ مکران میں جب، میر جلال خان بلوچ کی سربراہی میں بلوچ قبائلی سماج کو کسی قدر استحکام میسر آیا تو بلوچستانی علاقوں پر ان کی عمل داری میں اضافہ ہوا۔ بلوچ معاشرے میں خوش حالی آئی اور سرکردہ بلوچ، مکران و بلوچستان سے نکل کر سندھ و پنجاب میں مال مویشی فروخت کرنے اور تجارتی لین دین کی غرض سے داخل ہوئے۔ سماجی میل جول کے طور پر بلوچوں کے قافلے پہلے سندھ کی طرف رواں دواں ہوئے۔ تاریخی شہادت کے طور پر ہمیں کیچ مکران کے بلوچ شہزادے پنوں ہوت کے شان دار قافلے کی بھنبھور آمد کا ذکر ملتا ہے جہاں سسی کے ساتھ عقد کے، ایک ماہ بعد تک اس کا بھنبھور میں قیام رہا۔ اہل سندھ سے بلوچوں کا یہ اوّلیں مضبوط سماجی اور لسانی رابطہ تھا۔[1]

محمود غزنوی نے جب جنوبی ہندوستان کی طرف متواتر سترہ اسفار کیے تو امکان ہے کہ ان کے لشکر میں بھی بلوچ شامل ہوں گے کیوں کہ بلوچستان، غزنی سے ملحقہ علاقہ ہے۔ تاہم اس کی کوئی تحریری شہادت موجود نہیں۔ ۱۴۶۶ء کے لگ بھگ بلوچوں کی مکران سے قلات اور پھر سبی میں منظم قبائل کی صورت میں آمد ہوئی۔ بلوچ قوم کے سربراہ میر چاکر رند نے سبی میں آ کر، عکاظ عربی میلہ کی طرز پر، سالانہ سبی میلہ کا اہتمام کیا جو ہنوز جاری ہے۔ یہ میلہ، جاموٹی (سندھی رہندی یعنی اردو) زبان سے آشنائی کا بڑا وسیلہ بنا۔ سندھ، پنجاب ملتان، آگرہ اور ہندوستان کے ساہوکار، بلوچستان وافغانستان تک تجارتی سامان فروخت کے لیے تواتر سے یہاں لاتے، جیسے: میر چاکر رند اور میر گوٗاہرعام لاشاری کے ہم عصر جرنیل ''بی ورغ رابی فرخ'' رند کی جب شاہ افغانستان کی دختر گراں ناز سے شادی ہوئی تو عروسی ملبوسات ولوازمات سندھ کے ایک میمن نے فراہم کیے۔ اس واقعہ کو ابی فرخ، بلوچی اشعار میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ:

''گوٗاں جس عذہ عوٗاں اقھال ء اژء شہرء — منڑ منڑ آشک ء ما ہوٗ آس پہرء
تھا عوء رعئے چھی ء پھر تھا سوٗ ء بہ آرعس — ہر شہ ء لوٹھ عئے مس روّعن کھہ آرعس
بہ آرتش بو عاں کہ من عس موش عاں — بے آرہم آں جراں کہ من عس بوش عاں
ہفت شف ہفت روش نیاذعت عغ عس درزی — سی ہزار، ذرعئے بی عذہ عغ عس قرض عی''[2]

ترجمہ: میں نے شہر سے ایک بقال کو بلایا۔ اسی لمحے ایک میمن حاضر ہوا۔ بولا اگر کچھ کھانا چاہتے ہو تو تمھارے لیے لے کر آتا ہوں۔ جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چیز چاہیے، تمھارے لیے حاضر کرتا ہوں۔ میں نے کہا، وہ خوش بویات اور عطریات لے آؤ جنھیں میں چھڑکوں۔ وہ کپڑے لے آؤ جنھیں میں پہنوں۔ سات دن اور سات رات تک میں نے کپڑوں کی سلائی پر درزی لگا دیے۔ عروسی اخراجات سے میں تیس ہزار زریں اشرفیوں کا قرض دار بن گیا۔

بلوچ سامان حرب اور تلواریں بھی ہندوستان سے حاصل کرتے تھے، جیسے: رند و لاشار ''نلی گڈھ'' رزمیہ میں ہندی تلواروں کا تذکرہ ہے۔ جب ابی فرخ رند، میر چاکر کو، لاشاری بھائیوں پر حملہ آور ہو کر برادر کشی سے منع کرتا ہے تو شیخی باز احمق رند بول اٹھے کہ: ابی فرخ، اب جنگ کے تیروں سے سہم گیا ہے۔ ہندی تلواروں کے خوف نے اس کے حوصلے پست کر دیے ہیں۔

بی فرح گونڈل عاں سہم میں عتھء ہندی عاں ماھُرسء داذھء ۳

بلوچ امرا کی خواتین کے ملبوسات ملتان، پنجاب اور آگرہ ہندوستان سے منگوائے جاتے جیسے: شہور رومانوی کردار حانی کی جوتیاں ملتان سے منگوائی جاتیں اور دوپٹے آگرہ سے لائے جاتے:

جُتی شے ملتان عئے گڑھء شارعیں سریغ شے آگرہ ۴

سندھ اور سکھر و بکھر تک بلوچوں کی آمدورفت جاری تھی۔ کچھ لوگ حج کے لیے بھی اسی راستے سے جاتے تھے، جیسے شیخ مبارک، ناراض ہو کر حج پر جانے والے اپنے گم شدہ فرزند شیخ میرذ کو انھی علاقوں میں تلاش کرتے رہے کہ۔

رفت عس مریذ عئے گول عغء واس سکھرء داں بکھرء
ور سکھرء سون عارعوء سون عارعوء ساحت عاں گھڑعی
ساحت عاں گھڑعی سوذا غرعی تحقی مریذ عئے دروشم عاں ۵

ترجمہ: مریذ کی تلاش میں، میں سکھر گیا، بکھر گیا۔ سکھر میں ایک سنار ہے جو زیورات سوداگری کے لیے گھڑتا ہے سنار کی شکل وصورت ہو بہ ہو مریذ کی ہے۔

سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے ہندو سوداگر نہ صرف بلوچستان میں آمدورفت رکھتے تھے بلکہ قدیم الایام سے سکونت گزین بھی تھے اور اب بھی بلوچستان کے متعدد مقامات پر رہائش پذیر ہیں، جیسے: ''ساہتیہ اکیڈمی دہلی'' (مقتدرہ قومی زبان) کے صدر نشیں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ قیام پاکستان سے قبل، دُکی بلوچستان میں پیدا ہوئے، وہیں پڑھتے رہے۔ موسیٰ خیل، اوستہ محمد، جیکب آباد اور جھٹ پٹ میں رہے۔ ان کے ماموں خان قلات کے دیوان تھے۔ ۶

اس طرح ہندی / اردو بولنے والوں سے رابطہ کی بنا پر بلوچ نہ صرف ان زبانوں سے آشنا ہوئے بلکہ ان زبانوں کے الفاظ بھی لاشعوری طور پر بلوچی میں استعمال کرنے لگے جیسے: رند لاشار ''نلی گڈھ'' جنگ میں جب نوذبندغ لاشاری، میر چاکر رند کو تلواروں کی وار سے بچا کر لے جاتا ہے تو نوذبندغ کا والد اسے طعنہ دیتا ہے کہ ''لاشاری ہو کر تم نے میر چاکر رند کو بچایا ہے؟'' جواب میں نوذبندغ

© rasailojaraid.com

اپنی ماں کا حوالہ دیتا ہے کہ مجھے لوری میں ماں نے کہا تھا کہ جب میر چاکر پر کوئی مشکل آئے تو اس کی حفاظت کرنا، میں نے ان کی لوری کا احترام کیا ورنہ میر چاکر پروار کرنے میں کب "تلنا" تھا۔ اس کا سر میں کانے کی لڑکی کی طرح چبا ڈالتا۔ اسے مولی کی طرح "توڑ" دیتا۔ پایہ تخت سبی، میں اس سے، ایک ہاتھ سے چھین لیتا۔

چاکر کھہ ء ٹال ء کھس عذھ عیں　　　سر چھو ، کرب ء ی جاع عذھ عیں

دیذھ عیں مں مُولی تروڑ کھس عذھ عیں　　　سیوی مں یے مُشت ء بُوتھ عیں ے[۷]

نظم میں "ٹال" (ٹلنا) اور "تروڑ" (توڑنا) ہندی و سندھی الفاظ لاشعوری طور پر استعمال کیے گئے۔ حالانکہ ان الفاظ کے مترادف بلوچی الفاظ "تھورو" اور "سند" بھی موجود ہیں۔

۱۴۶۹ء میں بلوچوں کی پنجاب میں وسیع پیمانے پر آمد شروع ہوئی۔ نواب سہراب خان بلوچ، ملتان کے سلطان حسین لنگاہ کی دعوت پر پنجاب آئے۔ نواب اسماعیل خان ہوت، (بانی ڈیرہ اسماعیل خان) نواب فتح خان (بانی ڈیرہ فتح خان)، نواب حاجی خان میرانی (بانی ڈیرہ غازی خان) اور نواب غازی خان میرانی (م ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء) نے ان علاقوں میں ڈیرہ جات آباد کیے جہاں بلوچ قبائل ان کے ہم راہ تھے اور تا امروز بلوچ قبائل ان علاقوں میں بہ کثرت آباد ہیں۔[۸]

ڈیرہ جات میں بلوچوں نے ریاستوں کی بنیاد رکھی۔ مقامی آبادی نیز ہندی/اردو زبان سے ان کا مستقل رابطہ ہوا۔ بلوچ، ملتان کے علاوہ بادشاہان دہلی سے بھی مربوط ہوئے۔ ۹۴۶ھ/ ۷ مئی ۱۵۴۰ء کو جب ہندوستان کے منگول بادشاہ ہمایوں (مارچ ۱۵۰۸ء۔ ۲۴ فروری ۱۵۵۶ء) شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر سلطنت دہلی کو چھوڑ کر ملتان کے نواح میں "پنجند" کے مشرقی کنارے پر پہنچا تو دریا عبور کرنے کے لیے وہ کسی بھی وسیلہ سے محروم تھا جب کہ شیر شاہ سوری کے لشکری اسے گرفتار کرنے کے لیے تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس مقام پر سردار بخشو خان بلوچ نے، ہمایوں بادشاہ کو روایتی بلوچی سخاوت و مہمان نوازی کے طور پر کشتیاں غلہ سے بھر کر بطور مہمانی و برائے عبور دریا، پیش کیں۔ فاتح ہند بابر بادشاہ کی دختر اور ہمایوں بادشاہ کی ہمشیر گل بدن بیگم، اس واقعہ کو چشم دید شاہد کی حیثیت سے اپنی تصنیف "ہمایوں نامہ" میں اس طرح لکھتی ہیں کہ:

> "ملتان آنے کے بعد وہ [ہمایوں بادشاہ] ایک دن وہاں ٹھہرے۔ قلعہ میں سے جو تھوڑا سا غلہ میسر آیا وہ ساتھیوں میں بانٹا اور وہاں سے کوچ کر کے دریا کے کنارے ائے جو سات دریاؤں کا مجموعہ تھا۔ حیران و پریشان تھے کہ۔ کوئی کشتی کنارے پر موجود نہ تھی اور اعلیٰ حضرت [ہمایوں بادشاہ] کے ساتھ فوج بہت زیادہ تھی۔ دریا پار ہو تو کیسے؟ اسی دوران خبر موصول ہوئی کہ خواص خان [ہمایوں کے عدو اور شیر شاہ کا معتمد جرنیل] چند امرا کو ہم راہ لے کر تعاقب میں چلا آ رہا ہے......اس علاقہ کا مالک بخشو بلوچ تھا۔ اس کے پاس بہت سی کشتیاں تھیں۔ حضرت [ہمایوں بادشاہ] نے کچھ لوگوں کو اس کے پاس بھیجا۔ علم، نقارہ، گھوڑا اور سروپا کے قابل، خلعت بھجوائی۔ اور کشتیاں اور غلہ طلب کیا۔ بخشو بلوچ نے سو کشتیاں غلے سے بھر کر حضرت بادشاہ کی خدمت میں بھجوا دیں۔ حضرت کشتیاں اور غلہ پا کر بہت خوش ہوئے۔ غلہ ہم راہیوں میں بانٹ دیا اور کشتیوں میں سوار ہو کر دریا پار کر لیا۔ خدا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحمت بخشو بلوچ کو ڈھانپ لے کہ اس نے بڑی شائستہ اور عمدہ خدمات انجام دیں۔ آخر الامر ملتان سے بکھر [سکھر] تک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت بکھر [میان دریائے سکھر] پہنچ گئے۔''۹

بخشو بلوچ کا سو کشتیاں غلہ فراہم کرنے کا واقعہ پنجاب میں بلوچوں کی منظم آبادی کی شہادت فراہم کرتا ہے۔ اس طرح پنجاب میں آباد ہونے کے سبب، پنجاب کی زبان سے ان کا مستقل رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ تاہم یہ رابطہ شمالی ہندستان سے اس وقت مزید استوار ہوا جب ۹۶۲ھ/۱۵ نومبر ۱۵۵۴ء کو ہمایوں کابل سے دہلی طرف روانہ ہوا۔ بلوچستان کے امیر، میر چاکر رند بلوچ مع ۸۰ ہزار مسلح بلوچ لشکر ہمایوں کے اتحادی کے طور پر اس کے ہم رکاب تھا۔ ۲۲ رجون ۱۵۵۵ء کو سرہند کی لڑائی میں سکندر سوری کو شکست ہوئی۔ میر چاکر رند، عینی شاہد کے طور پر اس رزم کے بلوچی اشعار کہتے ہیں کہ:

''کھہ آئے عذھ ہماؤ گوسہ چھپا لکھء ۔۔۔ مس عی چھل ہزار ڈاؤ پوتر عوعیں رند عاں
سی ہزار میر عالی بہاذ رعاں ۔۔۔ دہ ہزار راہ چی عیں جلاہ گیر عاں
یکھ ہمار لنگوء دہ زحم عین عاں ۔۔۔ درکھو عاں وہ دائی پھرء زحمء
روش گوٹکء پھوڑ آمد بی ۔۔۔ دیر نہ بی عذھء داں دمء دھکھء
آف شیر بی عذھ عوں یے دمء ڈکھء ۔۔۔ گھور کھں عذھء سیوی بُھٹ عریں رند عاں
پہلوان عین عاں سیر طمع عین عاں ۔۔۔ زور کھں عذھء میر عالی بہاؤ رحاں
ڈومیکی عاں گو بارغ عیں بورعاں ۔۔۔ بیرق مامیر عیں بگڑ عئے دستء عیں
ما پڑء ذ غر عیں فلمظی کھوشتاں ۔۔۔ جھٹء تُھر کھء آف شیر بی عذھ عاں
مس کھیال کھں عذھ گورخت عغ عیں چھم عاں ۔۔۔ رند نۂ کھزعاں شے موڑہ عغ عی پھاذ عاں
پُھشت کھں عذھء دلی ذہر عنڑ عیں تُھرکھ عاں ۔۔۔ ہفت ہزار نرشیری گڑاک عیں عتھ عیں
بیڑ عذھء میں دلی کوٹ ہزار گنج عیں ۔۔۔ ہندھ جاگاہ عیں مڑو بور عان عی
دہشذء لڑز عاں دل لفور عان عی ۔۔۔ ہشت پہرء اوذ اویروء اذھ عیں
ہوتھ قرار بی عاں بورساہ سارعاں ۔۔۔ سیم شے پیل عی حکم عاں دیر بہ عاں''۱۰

ترجمہ: ہمایوں تین چار لاکھ فوج کے ساتھ آتا ہے۔ میں بھی چالیس ہزار ایک دادا کی اولاد رند سپوتوں کے ساتھ پہنچا۔ تین ہزار میر عالی بلوچ بھی میرے ساتھی ہیں۔ دس ہزار رادچی میرے ہم راہ ہیں۔ ایک ہزار لنگو ساتھ ہیں۔ دودائی بلوچ بھی شمشیر بکف آئے ہیں۔ سورج نکلتے ہی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ کوئی زیادہ دیر نہیں گزری کہ مخالف فوجیں دودھ اور پانی کی طرح مل گئیں۔ سبی کے لمبے بالوں والے رندوں نے گرج کر حملہ کیا۔ ایسے پہلوانوں نے جنھیں اپنی زندگی کا طمع نہیں۔ میر عالی بہادروں نے زوردار حملہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈومکیوں نے اپنی پتلی گھوڑیوں کے ساتھ حملہ کیا۔ جھنڈا میر باگڑ جطوئی کے ساتھ میں ہے۔ میدان جنگ میں قلمقی بلوچ ڈٹے رہے۔ کچھ دیر تک دشمن سے دودھ اور پانی کی طرح ملے رہے۔ میں نے اپنی سرخ آنکھوں سے دیکھا کہ رند اپنی ایڑیوں سے پیچھے نہیں ہٹے۔ بالآخر دلی کے غضبناک دشمنوں نے پیٹھ دکھائی۔ ان میں سے سات ہزار، شیر کی طرح توڑ ڈالے۔ پھر ہزاروں خزانے والے دلی کا محاصرہ کیا۔ جو لشکروں اور گھوڑوں کا مقام ہے۔ ہمارے حملہ سے بزدلوں کے دل کانپ رہے ہیں۔ آٹھ پہر وہاں قیام کیا۔ تاکہ جنگجو آرام کرسکیں اور گھوڑے سانس درست کرسکیں۔ پھر ہاتھی پر سوار ہو کر بادشاہت کی تبدیلی کا اعلان کیا۔

گویا جولائی ۱۵۵۵ء میں بلوچ جنوبی پنجاب سے بڑھ کر دہلی تک کی زبان سے واقف ہوئے۔ پھر بلوچوں کی قابل ذکر تعداد دہلی، اس کے نواح اور دیگر ہندوستان میں ہمایوں کی حکومتی معاونت کے لیے آباد ہوئی۔ اس طرح بلوچ قبائل سبی بلوچستان کا پایہ تخت چھوڑ کر وسیع پیمانے پر پنجاب میں آباد ہوئے جہاں وہ ہنوز آباد ہیں۔ خود میر چاکر ''ست گھرہ'' اوکاڑہ پنجاب میں آ کر آباد ہوئے جہاں ان کا مقبرہ موجود ہے۔ بلوچ پنجاب اور ہندوستان میں پھیل گئے۔ مقامی بولیوں کے ساتھ: ہندی/اردو سے وسیع پیمانے پر آشنا ہوئے۔ بلوچ، سندھ، جنوبی ہندوستان گجرات اور ''بھروچ'' تک پہنچے۔

بلوچوں میں اردو گوئی کا آغاز:

بلوچوں میں اردو گوئی کا آغاز تدریجاً بلوچستان سے ہوا۔ بلوچستان میں انسانی تہذیب بالخصوص مہرگڑھ کے بارے میں فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر جیرتیج کی رائے ہے کہ یہ ۹ ہزار سال قدیم ہے مگر تصدیق ہنوز باقی ہے کہ آیا یہ بلوچ تہذیب کے آثار ہیں یا اس سے قبل قدیم تر کسی تہذیب کے آثار؟ بلوچ اگرچہ اس ایشیائی خطے میں بہ کثرت آباد ہوئے اور یہ خطہ، بلوچستان معروف ہوا، ان کی بولی بلوچی کہلائی جو ساخت جملہ کے اعتبار سے ایک آریائی بولی ہے جس میں سامی و عربی نقوش واضح ملتے ہیں مگر یہ فارسی سے مشابہ ہے۔ عہد ضیاء الحق کے ایک راز دارانہ حکومتی سروے کے مطابق بلوچستان و سندھ کے علاوہ پنجاب، خیبر پختون خواہ اور آزاد کشمیر کے مختلف علاقوں مظفر آباد، ایبٹ آباد، راولپنڈی، جہلم، گوجرانوالہ، لاہور، فیصل آباد، خوشاب، میاں والی، جھنگ، ساہی وال، ملتان، بہاول پور، رحیم یار خان، راجن پور، ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، لیہ، بھکر، ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، کوہاٹ اور پشاور میں ساڑھے پانچ کروڑ بلوچ آباد ہیں۔ یہ سب بلوچ بلوچستان سے نکل کر ان علاقوں میں آباد ہوئے جہاں یہ مقامی بولیوں، ہندی اور اردو سے آشنا ہوئے۔ رفتہ رفتہ سندھ، پنجاب اور ہندوستان میں آباد ہزاروں بستیوں کے مکین لاکھوں بلوچ، اپنی زبان: ''بلوچی'' فراموش کر گئے اور مقامی آبادیوں میں مدغم ہو گئے۔ اس عمل ادغام سے متذکرہ علاقوں میں سوائے ڈیرہ غازی خان اور راجن پور کے، بلوچی تقریباً معدوم ہو گئی۔ اس ادغامی عمل صدیوں کا عرصہ صرف ہوا۔ یہ ارتقائی سفر لاشعوری اور شعوری طور پر جاری رہا۔ پے در پے ایسے مواقع پیدا ہوتے رہے کہ بلوچ: ہندوی (اردو) سے متعارف ہوتے رہے۔ بلوچی میں مقامی بولیوں کے الفاظ داخل ہوتے رہے اور بلوچی کے الفاظ ہمسایہ بولیوں میں شامل ہوتے رہے۔ سندھی اور سرائیکی بولیوں میں، بلوچی لب و لہجہ، اصوات (حروف ابجد) اور ذخیرہ الفاظ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثرت نے ان بولیوں کے لب ولہجہ، حروف ابجد اور ذخیرۂ الفاظ کو ہندی سے کسی قدر مختلف تشکیلی صورت عطا کی۔ بلوچ قوم کا، مقامی بولیوں اور اردو سے رابطہ کی اس تاریخی سرگزشت کو اجمالی انداز میں بیان کرنے سے کسی قدر اس ارتقائی سفر کے نقوش واضح ہو سکیں گے:۔

۱۳۵۰ھ کے لگ بھگ بلوچستان میں بلوچی شاعری کے آثار واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ اس کا ایک اپنا ماحول اور طرز اظہار تھا۔ عہد میر چاکر کو بلوچی زبان وادب اور شاعری کا زریں دور کہا جاتا ہے۔ ۱۴۷۰ء لگ بھگ میر چاکر نے بلوچستان میں سالانہ مرکزی ''سبی میلہ'' کا آغاز کیا جو بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے لوگوں کے تال میل کا اہم ذریعہ تھا۔ پھر بلوچ لشکر متعدد بار ہندوستان میں داخل ہوتے رہے۔ ہمایوں بادشاہ، ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو میر چاکر مع کثیر بلوچ لشکر اس کے ہم رکاب تھا۔ [۱۱]

ہمایوں نے میر چاکر کو بہ طور اتحادی پنجاب میں آباد ہونے کے لیے وسطی پنجاب کا علاقہ فراہم کیا تو بلوچستان سے کثیر تعداد میں بلوچ، پنجاب میں چلے آئے۔ پنجاب اس وقت بیرونی حملہ آووں اور یورشوں کی زد میں تھا لیکن بلوچ قبائل کی اس خطے میں آمد کے بعد مقامی لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور بقائے باہمی کے خوش گوار تعلقات استوار ہوئے۔ میر چاکر کے پنجاب میں آباد ہونے کے بعد ۱۶۶۰ء میں بلوچوں کا براہوئی قبیلہ، قلات پر قابض ہوا جہاں ۱۶۶۶ء میں احمد زئی قمبر خانی خان دان نے ''ریاست قلات بلوچستان'' کی بنیاد رکھی۔ تشکیل ریاست کے بعد اہل ہنود تاجر، بلوچوں کی پناہ میں آباد ہوئے۔ یہ تاجر بلوچی اور براہوئی کی بجائے ہندی، سرائیکی اور اردو بولتے تھے۔ اہل ہنود تاجر اب بھی قلات میں اردو سے قریب تر بولی، سرائیکی بولتے ہیں۔ ۱۷۶۱ء میں میر نصیر خان نوری بلوچ والی قلات مع کثیر بلوچ لشکر احمد شاہ ابدالی کے ہم رکاب مرہٹوں اور سکھوں کی شورشوں کو فرو کرنے کے لیے ہندوستان گئے جہاں بلوچستان کے قادرالکلام شاعر قاضی نور محمد گنج آبوی اس مہم میں چشم دید شاہد کی حیثیت سے ان کے ہم رکاب رہے۔ انھوں نے ان جنگوں میں شریک بلوچ شخصیات اور قبائل تفصیلی احوال منظوم کیے۔ ان کی زبانی اس مہم میں شریک کچھ اہم بلوچ شخصیات اور قبائل کا تذکرہ بہ قدر حوالہ ملاحظہ ہو:

''در بیان گزشتن اردوئے بادشاہ ام دریائے دوآبہ رسیدن لشکر کفار گوید۔''

یکے میر زرک سبارک سیّر ۔۔۔ کہ زہری لقب دارو آں نام ور
دوئم میر کہرام مکسی کہ اُو ۔۔۔ بُود بیش خان از وغا نُسر خرو
وگر میر میر و سرج ایل رند ۔۔۔ نہ یک ایل بلہ دگر ایل چند
سرج مینگلاں بونہم خاں امیر ۔۔۔ دگر میر رحمت بل شیر گیر
وگر شاکر میر بازو شک ۔۔۔ شب و روز بودند در تاخت دنگ
زسا سولیاں سرورے خوش سیّر ۔۔۔ بہادر شہید و صفر خان وگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زسا سولیاں سرورے خوش سیّر — بہادر شہید و صفر خان وگر
زہارو نیاں میر یعقوب خان — کہ داردل دوست باز و تواں
زنیچا ریاں میر شہ بیگ دان — علی داد پندرانی آں نوجواں
قلندر زئی ہم دراں روز جنگ — نکر دند تقصیر در نام ونگ
سرِ ڈومبکی با امیرِ جلال — کہ باشد جواں مردنیکو خصال
سخنداں بہ ہرانجمن میر خاں — کہ سر کردہ اُواز دینار یاں
زعمرانیاں میر فاضل نبرد — غلام علی نام جو نیک مرد
قلاتی، حلونی و گہرام نیر — بروئے ہمہ بُد بہ ہوش و تمیز
سکاں بار ہا بر سر شیرہا — زوندی بہ میدان چوتیژ اژدہا
بلوچاں غازی نہ فشر وند پا — نرفتند چوں کوہ آہن زجا ۱۲

میر نصیر خان نوری والی بلوچستان کا مع بلوچ لشکر کئی ماہ تک پنجاب اور ہندستان کی آبادی کے ساتھ تال میل رہا۔ بلوچ عساکر: پنجابی، ہندی اور اردو سے آشنا ہو کر بلوچستان لوٹے۔ ۱۷۶۸ء سے قبل قلیل امکان ہے کہ کسی بلوچ شاعر نے اردو میں قابل ذکر شاعری کی ہو کہ اس وقت تک بلوچوں میں زوردار کلاسیک بلوچی شاعری کا سکہ رواں تھا اور سرکاری دستاویزات نویسی، فارسی میں ہو رہی تھی تاہم بلوچوں کے لیے اردو شناسی کے مختلف مواقع، تواتر سے پیدا ہوتے رہے۔

۱۱۹۶ھ/۱۷۶۸ء میں بلوچستان سے مشرقی زیریں میدانی علاقے ''سندھ'' ماں تالپور (ٹھال ٹڈ) بلوچوں کی حکم رانی قائم ہوئی جو کم و بیش ۵۷ سال، ۱۸۴۳ء تک ریاست خیر پور (بلدہ آباد کردہ از میر سہاب خان تال پور ۱۷۸۳ء) کی صورت قائم رہی۔ بلوچ امیران سندھ، آغاز میں بلوچی بولتے تھے مگر فارسی، سندھی اور اردو سے بھی آشنا تھے۔ سندھ میں بلوچی کے ساتھ اس ادغانی عمل کے زیرِ اثر ریاست کے کئی بلوچ امرا و شعرا نے اردو شاعری کا آغاز کیا اور اردو ادبا شعرا کی سرپرستی بھی کی۔ بلوچ اردو رابطہ نیز ترقی اردو کے حوالے سے سندھ میں بلوچ عہد حکومت، ایک زرّیں دور شمار ہوتا ہے جس میں بلوچ قبائل پہلی بار ''اردو آشنائی'' سے پیش رفت کرتے ہوئے ''اردو نگاری'' کے مرحلے میں داخل ہوئے۔ اس عہد میں بیسیوں بلوچ شعرا گزرے جنھوں نے اردو شاعری کا ایک قابل ذکر اثاثہ یادگار چھوڑا۔ ان میں روحل خان فقیر رنگچہ (۱۱۳۲ھ/۱۷۱۹ء۔ ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء) بن شاہو خان انگچہ جطوئی بلوچ سکنہ پد ماد جی بھٹ، عمرکوٹ سرفہرست ہیں۔ یہ درویشم نش شخصیت، صوفی عزت اللہ اور صوفی سلام اللہ شاہ میراں پوری ٹھٹہ کے مرید تھے۔ جودھ پور کے راجہ بجیہ سنگھ ان کا احترام کرتے تھے۔ یہ میاں غلام شاہ کلہوڑہ کے عہد حکومت میں جیسلمیر، جودھ پور اور بیکانیر میں سفیر رہے۔ کنڈڑی خیر پور میں تربت ہے۔ سندھی، ہندی، مارواڑی، سرائیکی زبان دان تھے۔ پنڈتوں سے ان کے مناظرے رہے۔ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناظر دں کو انھوں نے ''اگم وارتا'' کی صورت منظوم کیا۔ ان کی شاعری تزکیہ نفس، ایقان توحید، نفی اثبات اور ہمہ اوست کے تصورات کی حامل ہے۔ یہ بلوچ شاعر با تصور ہمہ اوست میں سچل سرمست کے پیش رو ہیں۔ ان کا کلام سندھی ادبی بورڈ نے ''کنڈڑی واران جو کلام'' کے عنوان سے شائع کیا۔ ان کی ابتدائی اردو کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

نہیں ورحل نہیں ذات زنگیچہ اے گو سر الہی ہے

کوئی پھرت مکے مانھیں، کن کوں گنگا پاس   شنگھ بھوکا جے پھرے مُول نہ کھاوے گھاس'' ۱۳؎

دبستان سندھ کے بلوچ شعرا میں سندھی اور سرائیکی کے شاعر درویش منش مراد فقیر زنگیچہ (۱۱۴۲ھ۔۱۲۱۱ھ/۱۷۹۷ء) بن محمد حیات، سکنہ ''پد مادجی بھٹ'' عمرکوٹ بھی شامل ہیں۔ یہ روحل فقیر کے سسر تھے۔ کلہوڑوں کے جور و جبر دیکھ کر تالپور میروں کے حامی بنے۔ ان کی شاعری میں ابتدائی اردو کی جھلک نظر آتی ہے، جیسے:

'' نہ کہو آودے نہ کہو جاوے   آپ ہیں میں پھر آپ سماوے
[نہ کہیں آئے نہ کہیں جائے   آپ ہی میں پھر آپ سمائے]'' ۱۴؎

مراد فقیر زنگیچہ کے ہم عصر شاہو حان (زنگیچہ (۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء۔۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) بن روحل فقیر بھی: سندھی، ہندی اور سرائیکی میں زمزمہ پرواز رہے۔ ان کے اشعار میں اردو کی ابتدائی صورت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ۱۵؎

اس عہد میں جب کہ سندھ میں بلوچ، اردو شاعری میں قدم رکھ رہے تھے برصغیر کے سیاسی منظر میں تبدیلی کے آثار رونما ہو رہے تھے۔ ۱۱؍ستمبر ۱۸۰۳ء کو جنرل لیک کی سربراہی میں انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوئی۔ ہندوستانی مغل بادشاہ، شاہ عالم ان کے مقابلہ سے معذور رہا اور انگریزی فوج کا استقبال کیا۔ یورپی اقوام کا دیگر علاقوں میں بھی عمل دخل شروع ہوا۔ وہ علمی، سیاسی، انتظامی، معاشی اور فوجی حوالے سے ایک طاقت ور قوم کی حیثیت سے ابھر کر بلوچوں سے بھی متعارف ہو رہے تھے۔ ۱۸۱۶ء میں انگریز مستشرق لیفٹنٹ ہنری ایف پوٹنگر (Pottinger) نے سندھ و بلوچستان کا دورہ کر کے تصنیف: ''بلوچستان اینڈ سندھ'' شائع کی۔ برطانوی دانش ور ہندوستان میں اپنی مضبوط افواج کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ ۱۸۲۰ء میں انھوں نے برصغیر کی دیگر اقوام کی طرح، بلوچ نوجوانوں کو بھی کرائے کا سپاہی بنا کر ''بلوچ رجمنٹ'' قائم کی جہاں بلوچ جوان برصغیر کے مختلف علاقوں میں تعینات رہ کر ہندی اور اردو سے آشنا ہوتے رہے۔ اس رجمنٹ کا برطانوی شعبہ، تقسیم برصغیر کے بعد پاکستان آرمی کا حصہ بنا اور ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو ۱۰؍ بلوچ رجمنٹ نے کراچی میں قائداعظم کو آزادی کی سلامی دی۔ بلوچ رجمنٹ کا اپنا ترانہ ہے جو اردو میں ہے۔ یہ عسکری شعبہ عہد بہ عہد بلاواسطہ اور بالواسطہ کئی اردو مضامین، نظموں اور کتب کی تخلیق کا موجب بنتا رہا۔ بلوچ رجمنٹ پر ایک ''بلوچ شناس'' میجر عبدالوحید کی نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیرے جوان جرات و ہمت میں بے مثال — ان کی نظیر وسعتِ گردوں میں خال خال
ملت کو ان کی قوت بازو پہ ناز ہے — یہ فخر قوم ، حامل جبروتِ ذوالجلال
یلغار بن گئے کبھی طوفان ہو گئے — ہر اہرمن کی موت کی سامان ہو گئے

اللہ کے حبیب کی نصرت تمھارے ساتھ — اس جان کائنات کی رحمت تمھارے ساتھ
تم ہی تو راز دار پیام حسینؓ ہو — تب ہی تو ہم قدم ہے شہادت تمھارے ساتھ
تم ہو مرانگی [ہکذا۔ مروی] کا مہر درخشاں بلوچیو! — تازہ ہے تم سے قوم کا ایماں بلوچیو!'' ۱۶

بلوچ، جہاں عسکری اکائیوں میں ہندوستان بھر میں اردو سے بہ خوبی آشنا ہوتے رہے اور اردو بہ طور فوجی روزمرہ بولتے رہے کہ اس وقت اردو فوج کی زبان بن چکی تھی۔ انھی دنوں ۲۰ جولائی تا ۲۲ جولائی اگست ۱۸۶۲ء سید احمد شہید ''اپنے اردو بولنے والے ہمراہیوں کے، بلوچستانی شہروں اور قصبات: خان گڑھ (جیکب آباد) چھتر، پھلجی، بھاگ، حاجی شہر، ایری، ڈھاڈر، درہ بولان، کرتہ، بی بی نانی، مچھ، دشت، سریاب اور کوئٹہ میں اہم بلوچ شخصیات سے ملتے اور ان کے ہاں قیام کرتے رہے۔ ۱۷

ادھر سندھ میں بلوچ حکمران: حافظ میر کرم علی خان تالپور سرکار عظمت مدار (۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء۔ ۱۲/ جمادی الاوّل ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء) بن میر صوب دار خان ہید، اردو میں مشق سخن جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ تال پور بلوچ حکم رانوں میں اوّلیں سرآوردہ اردو شاعر تھے۔ انھوں نے ۱۲۰۶ھ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اپنے برادر بزرگ میر غلام علی کی رحلت کے بعد سندھ کے حکم ران بنائے گئے۔ سخن پرور و سخن سنج تھے۔ ان کا دربار، اہل علم و فن اور شعرا کا مرجع و مرکم تھا۔ فارسی شعرا کا تذکرہ ''زبدۃ المعاصرین'' ان کے عہد میں مرتب ہوا۔ ''دیوان کرم'' کے نام سے ان کا فارسی قلمی دیوان موجود ہے۔ انھوں نے اردو اشعار کہے۔ ان کا اردو کلام، آخوند محمد بچل نے ''انتخاب لاجواب'' کے عنوان سے مرتب کیا۔ ان کی ایک مرصع اردو غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صبح دم یاد مجھے چاک گریباں آیا — پھر تصور میں مرے وہ رخ تاباں آیا
سیر گلشن میں نظر میری پڑی غنچوں پر — دل میں پھر مرے خیال لب خنداں آیا

سیر بستاں میں مرے سامنے سنبل آیا
دل یہ بول کہ وہی گیسوئے پیچاں آیا

سرو کو باغ میں دیکھا جو کہیں ہم نے کرم — یاد مجھ کو وہیں وہ سرو خراماں آیا'' ۱۸

میر کرم علی خان کے برادر صغیر میر مراد علی خان تالپور بلوچ سرکار جہاں مدار (۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء۔ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فارسی اور اردو کے شاعر تھے۔ اپنے برادر بزرگ کی رحلت کے بعد سریر آرائے ریاست سندھ ہوئے۔ انھوں نے ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء میں فارسی شعرا کا تذکرہ ''محک خسروی'' کے عنوان سے مرتب کیا۔ طب پر ''طب مراد'' تصنیف کی۔ ''دیوان علی'' فارسی، ان کا یادگار شعری اثاثہ ہے۔ ان کی ایک اردو غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''مجھ پر جو ہو احسان گراں بار صنم کا — میں کیا کہوں ، میں تو ہوں خریدار صنم کا
نکلا جو کبھی مہر مبیں ابر سیہ سے — یاد آیا مجھے چہرہ گلنار صنم کا
کیا سرو کو نسبت قدموزوں سے کوئی دے — وہ خود ہی ہے گرویدۂ رفتار صنم کا
ہے عرض علی تری [کذا۔ آپ کی] سرکار میں مولیٰ — دکھلاؤ مجھے جلد ہی دیدار صنم کا'' ۱۹

اس عہد میں، مکران کے بلوچ شاعر گل محمد ناطق مکرانی (۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء) بن نور محمد ملازئی، ساکن، تسپ پنجگور بلوچستان سے کوچ کر کے دہلی اور لکھنؤ میں اقامت گزیں ہوئے جہاں وہ اردو اور فارسی شاعری کا چراغ منور کرتے رہے۔ ''جوہر معظم'' ان کا فارسی مجموعہ کلام ہے۔ انھوں نے اگرچہ اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مکران میں گزارا مگر بلوچ معاشرہ کی علم سے عدم رغبت کو دیکھ کر وطن کو خیر باد کہا۔ پہلے پہل سندھ کے تالپور، بلوچ امرا کے دربار سے وابستہ ہوئے جہاں انھیں ''دل جوش'' کا خطاب عطا ہوا۔ کچھ عرصہ ٹھٹھ اور ٹمیاری حیدر آباد میں رہے۔ ۱۸۳۶ء میں دہلی گئے۔ ایک سال دلی میں رہنے کے بعد لکھنؤ چلے گئے جہاں دس سال رہنے کے بعد انتقال ہوا اور وہیں مکین آغوش لحد ہوئے۔ انھوں نے اس عہد کے بلوچستانی معاشرہ کی ان الفاظ میں منظر کشی کی کہ:

نہ کتابے بہ بغل شاں نہ قلم درکفِ شاں — در بغل ہیزم و دردست تبر می بینم

ان کی مرزا غالب سے مراسلت رہی۔ غالب کی زمین میں اشعار کہے۔ غالب نے ان کے مشورے پر اپنے چند اشعار کی اصلاح کی اور ان کے فکری تتبع میں بھی چند اردو اشعار کہے، جیسے:

زلفت زخم بسکہ دلِ زارِ من گرفت
ناحق ناخن زدم بہ زخم ، اگر بہ شدن گرفت (ناطق)
دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا (غالب) ۲۰

انھی دنوں انگریزوں کی نظریں، بلوچوں کی اسلامی ریاستوں، سندھ اور بلوچستان کو سرنگوں کرنے پر مرتکز ہو گئیں۔ انگریز بذات خود اور اپنے ہندوستانی اہل کاروں کے ساتھ بلوچستان وسندھ میں داخل ہو رہے تھے۔ ۱۸۳۷ء میں انھوں نے خان قلات بلوچستان کے ساتھ معاہدہ مستونگ کیا۔ اسی سال برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے فیصلہ کیا کہ برصغیر میں اردو اور فارسی کے ساتھ اپنی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزی زبان کو غالب سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ چوں کہ ریاست قلات پر بلوچوں کا براہوئی قبیلہ حکمراں تھا اس لیے انگریزوں نے بلوچستان پر اقتدار حاصل کرنے کی خاطر، پہلے بلوچی کے بجائے، براہوئی زبان سیکھنے کی ابتدا کی۔ ۱۸۳۸ء تک انگریز فوجی افسروں کی بلوچستان تک رسائی ہوچکی تھی۔ لیفٹیننٹ آر۔لیچ بمبئی انجینئرز کور نے ۷؍جون ۱۸۳۸ء کو جنرل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد سوم، شمارہ ۸ صفحہ ۵۳۸ تا ۵۵۶ رومن رسم الخط میں ''براہوئی گرائمر'' شائع کرائی جو بار دگیر ۱۹۰۰ء میں رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز نے لاہور سے شائع کی اسی سال جنرل مکناٹن نے مسٹر آر۔ لیچ کو خانِ قلات میر محراب خان سے ملاقات کے لیے بھیجا کہ وہ درہ بولان سے انگریزی سپاہ کے گزرنے کا راستہ طلب کرے۔ خان قلات نے اس عمل کو جہاں اپنی ریاست میں مداخلت تصور کیا وہاں ایک مسلمان ریاست افغانستان کے خلاف نصرانی فوج کا استعمال، غیر اسلامی سمجھا اور انگریزی فوج گزارنے کی اجازت سے انکار کر دیا۔ تاہم ۲۳؍مارچ ۱۸۳۹ء کو انگریزی فوج کا ''بنگال کالم'' کوئٹہ میں وارد ہوا۔ ۲۸؍اپریل ۱۸۳۹ء کو شاہ شجاع افغانستان میں کابل کی تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کی معاونت کے لیے انگریزی سپاہ درہ بولان بلوچستان سے ہو کر گزری تھی۔ اس سپاہ کے اردو بولنے والوں سے کسی قدر عام بلوچوں کا تعارف ہوا۔ یہ فوج کابل سے واپسی پر ۱۳؍نومبر ۱۸۳۹ء کو جنرل ولشائر کی سربراہی میں ریاست قلات پر حملہ آور ہوئی۔ خان بلوچستان میر محراب خان، ٹیپو سلطان کی طرح تین سو کے لگ بھگ بلوچ جاں نثاروں کے ساتھ شہید کر دیے گئے۔ بلوچستان میں اس سپاہ کی آمد و رفت سے، بلوچ کسی حد تک، اردو بولنے والوں سے متعارف ہوئے۔ ۱۸۴۰ء میں مسٹر کیپٹن آر لیچ نے، بلوچی ادب سے متعلق اشعار، جنرل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شائع کرائے۔ انھوں نے رومن رسم الخط میں صرف ونحو پر مشتمل بول چال کی کتب اور لغات بھی تصنیف کیں۔ اس سے عیاں تھا کہ بلوچستان کے مزید بلوچ قبائلی علاقوں پر انگریزی تصرف مقصود ہے چنانچہ ۳۱؍اگست ۱۸۴۰ء کو نفسک کے مقام پر انگریزی فوجوں اور مری قبائل کے مابین دست بدست رزم آرائی ہوئی۔

اس عہد میں ہندوستان میں متحرک شاعر غالب (م ۱۵؍فروری ۱۸۶۹ء) کا دیوان: اکتوبر ۱۸۴۱ء میں مطبع الاخبار دہلی سے شائع ہوا۔ غالب کے شاگرد مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر (م ۱۰؍نومبر ۱۸۶۲ء رنگون) کی تصوف پر تصنیف: ''خیابان تصوف'' ۱۸۴۳ء میں شائع ہوئی۔ انھی ایام میں سندھ کے قادرالکلام بلوچ شاعر خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم (۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء۔ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) بن بالاچ خان، سکنہ مٹھی، ٹنڈو باگو، ضلع حیدر آباد میں شاعری کی شمع فروزاں رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں سرائیکی میں ''داستان سسی پنوں'' رقم کی۔ منظور سندھی نے ''رسالو'' لکھا جسے ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے ۱۹۹۶ء میں سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سے شائع کرایا۔ ان کا شعری اثاثہ: مناجات، غزلیات، وائی، ریختہ، ٹپہ، راسوڑہ، سہرا بھجن وغیرہ کا حامل ہے۔ رسالو میں ان کا اردو کلام موجود ہے۔ پیدائش کائنات اور حضرت آدمؑ کے حوالے سے ان کی ایک فکر انگیز اردو نظم ''نکتہ ہادر سلوک و توحید'' نظریہ وحدت الوجود ہمہ اوست اور ہمہ ادوست اور ہمہ از اوست کی عمدہ نظیر ہے۔ وہ پیدائش کائنات کو کرشمۂ آرزو عشق کہتے ہیں۔ نظم میں خواجہ میر درد کی سوچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ: ''تو ہی تو نظر آیا جدھر دیکھا'' کا پرتو ملتا ہے۔ نظم میں ولی دکنی کے انداز میں، لفظ ''سوں'' اور جمع کے الفاظ: دکھاتیاں، موجاں وغیرہ مستعمل ہیں۔ نظم کے کچھ مترنم اشعار ملاحظہ ہوں:۔

''ایسا شاہ بے رنگ درباغ رنگ — لگی رنگ کی رنگ میں خوب جنگ
لگا عشق کا تب سے ڈنکا تمام — کیا ترک جنت کوں آدمؑ امام
نہ کہتے ہیں ادمؑ کا مادر پدر — کدھر کا چلا ہے پھر آیا کدھر
تو یٰسین میں دیکھ کُن فیکون (کذا) — کہ پیدا ہوا پل میں گوناگوں
کہاں سو میں آیا کہاں جاؤں گا — کہ کس بات سوں ڈر کے پچھتاؤں گا
نہ ذاکر نہ شاکر، نہ عاقل غرور — نہ جن و پری زاد، ملکی نہ حور
نہ خالق خدا، ناں خدا سے جدا — یہودی نصاریٰ نہ قوم لدا
ثوابوں سے نہ الفت نہ طالب خطا — مری ذات مجھ کوں۔۔۔ دیوے بنا
نہ میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں — نہ ہوبا نہ پیتل نہ میں سون ہوں
نہ ہاشم نہ قاسم، محمدؐ ملوک — نہ جھگڑا کسی سے نہ کرتا سلوک
اسی دیس میں چل کے آیا جبھی — مذاہب طریقے میں دیکھتے تبھی
کیا موج رنگین آبِ حباب — حباب ہی ملیا آب میں آب (کذا)
دکھاتیاں ہیں موجاں طرح طور طور — سبھوں میں ہے پانی نہیں اور اور
وہ بھیدی پچھانے اسی بھید کوں — پچھانے گا جو شاہد ناپید کوں
بحر میں پری بوند ہو گئی بحر — بحر ہے، بحر ہے، بحر ہے، بحر'' ۲۱

سندھ میں خلیفہ نبی بخش لغاری قاسم کے ہم قبیلہ شاعر، نواب غلام شاہ لغاری (۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰ء۔ ۱۲۷۸ھ/۱۹ اپریل ۱۸۶۱ء) بن نواب غلام اللہ لغاری بھی مختلف السنہ: فارسی، سندھی، سرائیکی، اردو کے شاعر نیز ادیب، صوفی اور حکیم تھے۔ ان کے والد ریاست سندھ میں عمرکوٹ کے گورنر رہے۔ یہ ان کے معاون رہے۔ بعد میں اسلام کوٹ کے ناظم بنے۔ سندھ پر انگریزی قبضہ کے بعد بدستور انتظامی امور سرانجام دیتے رہے۔ انھوں نے ۱۲۶۶ھ میں میراں پور کے صوفی فضل اللہ شاہ قلندر کے ملفوظات کو نقل کر کے ''دردنامہ'' کی صورت میں محفوظ کیا۔ فارسی رسالہ: ''انیس العاشقین'' اور نانک شاہ امرتسری کی تصنیف: ''نسخہ شلوک'' کو ۱۲۷۰ھ میں نقل کیا۔ ''نسخہ ادویات'' اور نانک شاہ امرتسری کی تصنیف: ''نسخہ شلوک'' کو ۱۲۷۰ھ میں نقل کیا۔ ''نسخہ ادویات'' اور ''نسخہ ظفر نامہ'' ۱۲۷۴ھ میں نقل کیے۔ تصوف پر مبنی تصنیف ''غوثیہ'' لکھی۔ اردو مستزاد بھی لکھے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"عشق صاحب کا شاہیں ہو یا، تیز کرے پرواز　　بحروحدت کی وم جگائی، کیا نشیب و فراز

ساقی ساف پیالہ دیا، من مورے میخانہ ہے　　خاص خمر خمخانہ ہے
غلام شاہ سر انحد باجے، کھلیا راز ربانہ ہے　　دل اندر دردانہ ہے" ۲۲

گردش لیل ونہار کے اس عہد میں انگریز اپنی فارورڈ پالیسی کے تحت مزید بلوچ علاقوں پر تصرف کے لیے زیرک انداز میں متحرک تھے۔ وہ ان کے بارے میں منظم معلومات حاصل کر رہے تھے۔ چناں چہ ۱۸۴۲ء میں مستشرق جمیز لیوس چارلس میسن (James Lewis Charlse Masson) نے "نیریٹوز آف جرنیز ان بلوچستان، سندھ اینڈ دی پنجاب" لندن سے شائع کرائی۔ اسی مصنف نے ۱۸۴۳ء میں اپنی ۴۰۳ صفحاتی تصنیف: "نیریٹوز آف نائش جرنیز ٹو قلات" شائع کی۔ اسی سال انگریز جنرل چارلس نیپیئر (۱۷۷۲ء۔۱۸۵۳ء) جو ۱۸۴۱ء میں بمبئی انگریزی فوج کا سپہ سالار تھا، نے سندھ کے تالپور بلوچ امیران سے ریاست سندھ چھیننے کی مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی۔

سندھ کی آزاد بلوچ حکومت کے، آخری فرماں روا، میر نصیر خان جعفری بلوچ سرکار فیض آثار (۱۴رمحرم ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء۔ ۷ربیع الثانی ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء) بن میر مراد علی خان، اردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر کی طرح روایتی اردو شاعری میں نوا پیرا تھے۔ شاعری گو کہ پرواز تخیل، بندش کلام، فکری دانائی اور اعلیٰ ادب کی حامل ہے مگر سائنسی اور معروضی علم سے بعید ہونے کی بنا پر سلطنتوں کو شکست سے محفوظ رکھنے سے عاجز ہے۔ سائنسی انکشافات کی دنیا میں صرف پرواز تخیل اور فکری جولانی کی بدولت آزاد رہنا غیر ممکن ہے۔ اسی لیے ۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے نے کہا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی تمام سائنسی کتب کو اگر یک جا کر دیا جائے تو وہ یورپ کے ایک ہائی سکول لائبریری کی کتب سے بھی کم ہوں گی۔ چنانچہ ۱۸رجنوری ۱۸۴۳ء کو جب ریاست سندھ کے بلوچ امیر کی فوجیں، انگریز جنرل نیپیئر سے میانی کے مقام پر رزم آرا ہوئیں تو شکست کھا گئیں۔ ریاست سندھ کو برطانوی ہند میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۷رفروری ۱۸۴۳ء کو امیر ریاست، محمد نصیر خان جعفری بلوچ کو اسیر بنا کر بمبئی، پونا، ساسور، ہنویلی اور کلکتہ کے زندانوں میں رکھا گیا۔ وہ قید فرنگ میں کلکتہ میں واصل بحق ہوئے۔ ان کی میت حیدرآباد میں دفن کی گئی۔ خود پر اسیری کے جور و ستم کا اپنے منظور فارسی "سفرنامہ" میں ذکر کیا، جیسے:

زبعد جفا و ستم بے کراں　　زملکم کشید ند ایں سُوروان
نخستیں چو بمبئی درآمدیم　　یکے ماہ آنگہ بہ ہمدم زویم
ازاں جائے منزل بہ منزل رواں　　بہ پونہ رسیدم با سوز جاں ۲۳

ان کی تصنیفات میں: "دیوان جعفری" (۱۲۲۳ء)، "مثنوی مرزا صاحباں" مصور (۱۲۳۵ھ)، "مثنوی مختار نامہ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالتصویر (۱۲۴۱ھ)، ''سفرنامہ جعفری'' (۱۲۶۰ھ)، ''مکاتیب جعفری'' (نثر)، ''دیوان مختصر در ہندی'' (اردو) ۱۲۶۱ھ شامل ہیں۔ ان کے ''مکاتیب'' کو ان کے فرزند میر حسن علی خان نے مرتب کیا۔ انھوں نے اپنا ہندی دیوان (اردو دیوان) ساسور اور کلکتہ میں اسیری کے دوران مرتب کیا جو ۱۱۲ اردو نظموں، ۱۸ اردو مخمس، ۳ فارسی غزلیات ۲ فارسی مخمس پر مشتمل ہ۔ ایک مخمس کے دو دعائیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

''غم کے دریا میں پڑا ہوں مستمند اور مجھے ناحق کیا ہے قید و بند
پھر کرو مجھ کو عطا بختِ بلند دین و دنیا میں مجھے کرار جمند'' ۲۴

میر نصیر خان جعفری کے ہم عصر سندھ کے بلوچ شاعر: میر صوب دار خان تالپور (۹ محرم ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء۔ ۱۴ رجب ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) بن میر فتح علی خان ٹال پر (فاتح سندھ) انگریزوں کے ہاتھوں قلعہ حیدرآباد چھن جانے کے بعد کلکتہ میں اسیر بنائے گئے اور وہیں دوران اسیری انتقال ہوا۔ ان کی فارسی تصنیفات میں: دیوان میر (۱۲۴۰ھ)، مثنوی فتح نامہ سندھ (۱۲۴۴ھ)، مثنوی سیف الملوک (۱۲۴۷ھ)، مثنوی خسرو شیریں (۱۲۵۱ھ)، مثنوی قصہ ماہ و مشتری (۱۲۵۲ھ)، مثنوی جدائی نامہ (۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء) اور ''خلاصہ اقتداوی (مجربات طب)'' شامل ہیں۔ انھوں نے سندھی اور اردو شاعری میں طبع آزمائی کی۔ ان کی اردو غزل کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

''اے دل، ہے سنی تو نے تو اخبار محبت کیوں تجھ کو پسند آ گیا آزار محبت
دعوائے محبت سے ہے، کانٹوں میں الجھنا کیوں مدعی بنتا ہے، گراں بار محبت'' ۲۵

سندھ کے بلوچ شاعر میر شاہ داوٗد خان حیدری، سرکار بلندی اقتدار (۱۲۲۴ھ؟/۱۸۰۸ء؟۔ ۸ محرم ۱۲۸۴ھ/۲۸ اگست، ۱۸۶۷ء) بن میر نور محمد خان ٹھال بُر بلوچ: فارسی، سندھی اور اردو غزل کے شاعر تھے۔ ''دیوان حیدری'' ۸۴۷ غزلیات اور دیگر نظموں کا حامل ہے۔ ریاست سندھ پر قبضۂ فرنگ کے بعد انھیں بھی سورت لے جا کر محبوس کیا گیا۔ پھر کلکتہ لے جائے گئے۔ اور وہیں دوران اسیری واصل بحق ہوئے۔ جتنے بھی بلوچ امیرانِ سندھ اسیر بنائے گئے، کوئی خوش نصیب ہی زندہ لوٹ کر آیا۔ ان کے اشعار ''سفرنامہ''، اشتہاد تعذیب ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''گوندھ تو زلفِ پریشاں کو، پریشان مت ہو دیکھ کر مجھ کو پراگندہ تو حیراں مت ہو
حیدری ہو گا تو آزاد، نہ گھبرا ہرگز ناامید از کرم شاہ شہیداں مت ہو'' ۲۶

ان دنوں سندھ میں بلوچ شاعر میر حسین علی خان (۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء۔ ۲۶ ربیع الاوّل ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) بن میر نور محمد خان تال پور، ادب نوازی اور اردو شعر گوئی سے دامن اردو وسیع کر رہے تھے مگر حیدرآباد کے قبضۂ فرنگ میں چلے جانے کے بعد، کلکتہ میں نظر بند کیے گئے۔ تاہم ۱۸۵۹ء میں رہا ہوئے۔ فارسی نثر میں تین کتب: ''مناقب علوی (نثر)۔ شاہد الامامت۔ لب لباب'' لکھیں۔ دواوین میں: دیوانِ فارسی۔ دیوانِ اردو بالتصویر ہیں۔ اپنا دیوان: ''دیوان حسینی'' نظر بندی کلکتہ کے دوران مرتب کیا۔ ان کے اشعار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مقامی ثقافت کا رنگ، وطن سے دوری کا رنج، ملت کی زبوں حالی، کسمپرسی اور قیدِ فرنگ کے تاثرات نمایاں ہیں۔ حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ آبائی قبرستان ''میرن جاقبہ'' میں مدفون ہیں اردو دیوان کی اوّلین غزل کے چند اشعار اور کچھ دعائیہ کلام ملاحظہ ہو:

''مخفی ہوا تھا ذرہ، محمدؐ کے نور کا　　آیا ہے اب تو دور اِنھی کے ظہور کا

خدا کرے کہ کسی کا جدا حبیب نہ ہو　　یہ بددعا کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
غریب و بے کس و بیمار و بے وطن، بے یار　　ہمارے سا دنیا (کذا) میں کوئی غریب نہ ہو
رہا نہ مال نہ لشکر نہ ملک نہ [کذا۔ نے] طالع　　کوئی مجھی سا (بھی) عالم میں بے نصیب نہ ہو

''باشاہی سندھ کی باتخت و لشکر تاج کو فر　　یا الٰہی دے مجھے خیرالنساء کے واسطے
جا کے پہنچیں با تجمل جیتے جی اپنے وطن　　رحم کیجیے مصطفیٰؐ و مرتضیٰ کے واسطے [۲۷]

۱۸۴۳ء میں بلوچ ریاست سندھ کی شکست کے بعد فرنگی جنگ جو: جیکب آباد، مری اور بگٹی علاقہ بلوچستان کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ بلوچ مجاہدین اور جانبازوں نے حتیٰ الوسع مزاحمت کی جن میں اڑندو خان ٹوثانی بگٹی ہراول میں تھا۔ وہ فرنگی فوج کے خلاف، مجاہدانہ وار میدان کارزار میں مع تین سو بلوچ شہید ہوا۔ بلوچی شاعری میں، ان کی جہادی نظم ''اڑندو خانءِ شعر'' کے عنوان سے معروف ہے ۱۸۴۴ء کے لگ بھگ کہی گئی اس بلوچی نظم کی فنی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کچھ الفاظ، مصرعے اور اشعار اردو میں ہیں۔ یہ کسی بلوچ شاعر کی طرف سے ''اردو ریختہ'' کا اولیں تجربہ نظر آتا ہے۔ چند ریختہ مصرعے ملاحظہ ہوں:

الٰہی حکم تقدیرء　　پلنگ ئی آحت عک اڑء دیرء
سمند رنندن عئے سیڑھء　　پھل عذھ عئَ ملک اڑء میرء
بہ الٹ عذھ عئَ جو ہیروہیرء　　سید عاں، تاج محمدء
شہید ئی کھپت ہم اں ہندء　　نبیؐ عئے میڑھء نندء
نہال ورکھانڑ کا بیٹا　　سروغء پی عذھ چھوگھوٹء
غزیٰء یا جنگ ویلہء یا　　غزیٰءِ َماکھن عون چوٹءَ
کبیر ئی زوّار دوڑایا　　صاحب سے بات بولایا
چڑھیا میری بدل آیا　　جو حکم آپ فرمایا
پکڑو راہ رستہء عا　　. . . . .

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اڑنڈو خان غزئی ءِ عان عی — سرءَ مندیل مولھ عان عی
گروخ عی چھاپ تھیغ عان عی — ملوکھءَ شِق ءَ زحم عان عی
صواح ءَ گرند توف عان عی — کھس عذھ عئَ جنگ ، بادشاہ عان عی
پڑءَ سہ صذ بلوچ عاں نی — بدل میرآی ستاح عان عی
اڑنڈو کھشت نوتھانی — بہادر جیلم عئے اُڑوعاں
کھس عذھ عئَ سیاہ آف شیر گڑدعاں — فتح میرآی بدل کیا
پکڑ کر قید سب کیا — نصیحت حواڑعتھ بگٹی ءَ
شُذھءَ حال سلام حان ءَ — قوّی عیں کھوہ سلطان ءَ
سلام عی بی عذھ ہم اوہندءَ — جڑعیں لڑکان عوءَ نندءَ" [۲۸]

بلوچی اردو ریختہ گوئی کی یہ روایت، تا امروز قائم ہے۔ [۱۲] ۱۹۱۱ء میں بلوچی، براہوی، سندھی، فارسی اور اردو کے شاعر ملا مزار بنگل زئی ساکن اسپ لنجی کی معروف بلوچی نظم "لاٹ کی بگھی" میں اردو اشعار ملتے ہیں۔ نظم اس قدر ریچ کی عکاس تھی کہ مولانا موصوف جلاوطن کیے گئے۔ ۱۹۳۹ء میں وفات پائی۔ چتن علاقہ شاہی واہ، جھٹ پٹ میں ہمکینِ لحد ہوئے۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

"شے کا ہان، بادرہ، میسور دیار — امیر گو ایجنٹ ءَ کہ لِی عذھ عاں دُوچار
فرنگی کہا ، تم سنو دوست یار — میں اپنے وطن کی طرف تیار ہوں
میری بات یہ ہے امیر لوگ چنگ — کہ کھینچو تم بگھی مری ریل تک
ہزار آفریں باذھ تھا زاخیر بشک مری — تھاعی چھم عان است عیں حیاءِ ذرہ عی
ایجنٹ ءَ جو از داذھ عئے پھیذ اوَرعی — مہ کھس ہچھو ظلم عان، زور آورعی
مس نہ عس ڈگھوءِ ڈڈوّءِ اں کھرعی — کہ تھاعی بگھیءَ چھک عس مس ظاہ عی" [۲۹]

قیام پاکستان کے بعد رندی بلوچی شاعری میں اُردو ریختہ گوئی بصورت "داستانہ" نمایاں ہے۔ کوہ سلیمان کے متعدد ریختہ گو بلوچ شعرا کے کلام میں یہ تجربہ موجود ہے جیسے: کریم بخش پروانہ تمن قیصرانی کی ۱۹۷۰ء کی دہائی میں نوشتہ رومانی داستانہ "رفوڑ" کے ۱۲۳ اشعار میں ۲۳ مصرعے اُردو کے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

"بہ تھر کھوّعی دل بُن گاہ عاں، ہر رکھہ موڑعی پھول عئے دل ءَ
پیارے صنم کوئی نہیں، میرے غموں کی انتہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوٗزعتءَ گران عیں مُدتءَ، نہ دِیذھ عوں لفنگ چھم عاں تھارءَ
قلبِ حزیں پہ نقش ہے، تیری نظر کی ہر اد
اژچھاڑ دوہ عوعیں صدعی جن عاں، تھاعوبِلی عذھ عغءَ مں عی لیکھ ٖعوّءَ
تو چودھویں کا چاند ہے، آ کے مجھے جلوہ دکھا
جزعی چھو ٯ ہش عیں زاُمرءِ، چھو ساوں عڑعئے گھور عیں جُھڑءَ
ہے ماند تیرے سامنے، برسات کی قوس قزح
گوٗنڈ عیں یے پھیغامءِ برءِ، جلدعی بہ آ، بادصبا
پیارے صنم سے جا کہو، میں ہوں وزیر تو بادشاہ'' ۳۰

اللہ بخش قیصرانی بن حبیب اللہ کا ۱۹۸۸ء؟ میں نوشتہ داستانہ ''لفنگ'' کے ۱۱۹ اشعار میں ۱۹ مصرعے اردو کے ہیں۔ چند ریختہ اشعار ملاحظہ ہوں:

''زیرعں سفیذھ عیں کاغذءِ، قلمءَ دہ عں حکم تھا عوچل
جا دوست کو کہہ دو مرا، کرنا ہے ہم کو تم سے گل
تنگ عیں مں عی روح ءِ سوچ کھں، گھ آعوں من عن بعض عیں لہرّ
قاصد تو [کذا۔ ذرا] پرواز کر، جا کر صنم کو دے خبر
شاعر فراق عاں کوتاہ عیں، روشءَ شفءَ تھاعی عغ عیں فکرّ
صابر تو کہتا تھا تمھیں، کیّا بہت ہم نے صبر
اے قدر وڈاعی عاں مہ کھں، ربّ نہ بھانوعی نہ فخر
دیکھو مثال ہے سامنے مغرور کا نیچا ہے سر
گُل عیں سجن عڑتھا عی نیک عی عوں، شوٗاں داذ ھ عغ عئے چمن عئے شہر
چھٹی نہیں ملتی ہمیں، شاعر تُو مت فریاد کر
پٹھاں عڑی عی کھن عوخ عیں عالمءِ ، سوچ عاں نہ سج عاں گال ٯر
تعریف ہیں تیرے یہاں، اس بُک کے ہر ہر ورق پر'' ۳۱

۲۰۰۴ء میں نوشتہ عبدالقدیر بن کرم خان علوانی کی ریختہ داستانہ میں نصف مصرع اُردو، اور نصف مصرع بلوچی کا تجربہ ملتا ہے، جیسے:

''نگاہیں بجلی تیری، مہ جں چھم عاںِ گروح عین عاں
تجھے میں چاند کہتا ہوں، رَل عئے نُور عاں بل عوخ عین عاں'' ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۴۵ء میں بہادر شاہ ظفر کا دیوانِ اوّل، مطبع سلطانی، دہلی سے شائع ہوا۔ اسی سال فاتح سندھ جنرل نیپیئر نے بلوچستان میں مری قبیلہ کے سردار مقام کاہان پر قبضہ کرلیا نیز بگٹی قبائل پر حملے کیے۔ ان فوجی مہمات میں شامل اردو بولنے والوں سے بلوچستان کے عام لوگ سندھی اور اردو سے کسی قدر آشنا ہوتے رہے۔ ادھر سندھ میں بلوچ امارت کی شکست سے قبل، بلوچ امیرانِ سندھ کا، اُردو زبان و ادب سے جو تعلق قائم ہو چکا تھا، اگرچہ واقعہ شکست کے بعد اُردو کی سرپرستی پر منفی اثرات مرتسم ہوئے مگر اُردو نویسی کی وہ جس مضبوط روایت کی بنیاد رکھ چکے تھے، بعد کے بلوچوں میں اس کا تسلسل برقرار رہا۔ چنانچہ نظر علی فقیر زنگیچہ (۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ء۔ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) بن خدا بخش بن روحل فقیر ساکن کنڈڑی، سندھی، سرائیکی، ہندی اور اُردو میں بدستور نوا سنج رہے۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نظر علی اک صاحب جانو اس بن اور نہ دو جا جانو

ادھر مجھ سے کہتا ہے کہ چل تو یار کے ڈیرے ادھر تن مجھ سے کہتا ہے کہ تو دکھ مجھ کو مت دے رے

نہ دل مانے نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے کروں میں کیا نظر ایسی جو مشکل آن کر گھیرے'' ۳۳

اسی عہد میں قلات بلوچستان میں ملا محمد حسن براہوئی ایک قادر الکلام اُردو شاعر کے طور پر سامنے آئے۔ انھوں نے اپنا اردو دیوان، دیوان غالب سے چھے سال بعد ۱۸۴۷ء میں مکمل کر لیا۔ جب کہ سندھ میں حمل خان لغاری (۱۲۲۵ھ/۱۸۰۹ء، ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) بن رحیم خان سیر حقانی ساکن خیرپور تعلقہ سکرنڈ، سندھی اور سرائیکی میں نوا گر تھے۔ انھوں نے سکرنڈ میں ایک مکتب کی بنیاد ڈالی جہاں درو تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ محمد حسنؒ مدنی لواری والے کے مرید تھے۔ ان کا کلام ''کلیات حمل'' کے نام سے ڈاکٹر نبی بخش خان نے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سے شائع کرایا جو مدح، معجزہ، منقبت، مثنوی، سہ حرفی، غزل، کافی اور معمار وغیرہ جیسی اصناف سخن کا حامل ہے۔ ان کی شاعری میں بھی اردو کے آثار ملتے ہیں، جیسے:

''اک پل مجھ سُوں جدا ہووے نہیں او ماہ رُو دیکھ دل کے درد کاٹوں، یہ مرا ہے کام، دل'' ۳۴

۱۸۱۸۔۴۹ میں انگریزوں نے بلوچستان صغیر ڈیرہ غازی خان کے میدانی علاقے، ملتان اور پنجاب پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۵۲ء میں دہلی کالج قائم ہوا۔ ۱۸۵۳ء میں انگریزی عمل داری اور مظالم کے خلاف قیصرانی بلوچ قبیلے نے، ڈیرہ فتح خان نزد لیہ کی برطانوی چھاؤنی کو آگ لگادی اور تین توپیں قبضہ کرلیں۔ جوابی حملے میں جنرل جے ہاگسن اور میجر نکلسن نے بھاری فوج کے ساتھ اندرون کوہ سلیمان پہنچ کر قیصرانی قبیلہ کی بستی ''باٹھی'' کو آگ لگادی۔ آخرالامر انگریزوں اور قیصرانی قبیلے کے مابین صد سالہ معاہدہ امن ایک برنجی کاسہ پر تحریر ہوا۔ ۴رنومبر ۱۸۵۴ء کو ڈیرہ غازی خان شہر میں اوّلیں انگریزی مدرسہ، اسکول نمبر ا قائم کیا گیا۔ ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو دہلی غدر برپا ہوا۔ اسی سال، خان خداداد خان، ریاست قلات کے خان بنے۔ ان ایام میں سندھ کے نواب اللہ داد خان لغاری، صوفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۷ رمضان ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء۔۱۳۰۰ھ/۳۰ نومبر ۱۸۸۴ء) بن نواب ولی محمد خان وزیر اعظم (میر نصیر خان تالپور) بدستور سندھی، سرائیکی اور اردو میں سخن سرا تھے۔قبضۂ سندھ کے بعد اگرچہ انھوں نے انگریزی ملازمت اختیار کر لی تھی اور مختار کار رِٹائر ہوئے مگر تصنیف و تالیف میں مگن رہے۔ان کی فارسی تصنیفات میں: ''دیوان اللہ داد خان''، ''قصہ تسلیین وشیدا''، ''مثنوی اصغر''، ''مثنوی مسکین'' شامل ہیں۔اُردو کلام: نعتیہ اور غزلیہ ہے۔چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

''پہلے کہوں نام خدا، جو ہے خدا، سب سے بڑا
شب روز ہے جس کی ثنا، میری زباں سے ماجرا
والشّمس ہے، رو کی قسم، واللیل گیسو کی قسم
مشکین اس موُ کی قسم، مجھ کوں وہ ابرو کی قسم
مجھ کو خدا و مصطفیٰ ہیں دو جہاں میں آسرا'' ۳۵؎

انگریزوں اور ان کے: سرائیکی، سندھی، پنجابی، اُردو بولنے والے اہل کاروں کی بلوچ علاقوں میں محدود پیمانے پر آمد و رفت جاری رہی۔ ۲۶ رجنوری ۱۸۶۷ء کو غلام حسین مسوری بگٹی بلوچ کو برطانوی افواج کی اعانت سے راجن پور کے مغربی کوہستانی بلوچ علاقے میں شہید کیا گیا۔ان کا سر کاٹ کر، انگریز ڈپٹی کمشنر گرے کو گرفتار کر کے اندرون کوہ سلیمان لے گیا جسے چھڑانے کے لیے انگریزی اہل کار بلوچ قبائلی علاقہ ڈیرہ غازی خان میں داخل ہوئے۔۱۸۶۹ء میں خان قلات میر خداداد خان نے ''خضدار'' فتح کر کے ریاست قلات میں شامل کیا جہاں عرب ساختہ قلعوں کے کھنڈرات بدستور باقی تھے اور اس شہر میں ہندی بولنے والے ہنود بھی آباد تھے جو ہنوز آباد ہیں۔ بلوچ علاقوں میں پہنچ کر انگریزوں نے بلوچی اور فارسی کی بجائے انگریزی اور اردو زبانوں کی سرپرستی کی۔انگریزی ادارے قائم کیے۔محکمہ مال کا ریکارڈ، مسل، درخواستیں، دفتری دستاویزات بلوچی و فارسی کی بجائے اردو میں لکھنے کی طرح ڈالی۔تعلیمی اداروں میں اُردو کو مروج کیا۔ان اقدام سے بلوچ اردو آشنا ہوئے۔اس عہد میں جدید علمی درس گاہ علی گڑھ کالج قائم ہوا جہاں بعدہ کئی بلوچستانی طلبہ داخل ہوئے۔ڈیرہ غازی خان کے انگریزی اہل کار اور مؤرخ رائے بہادر ہتو رام نے بوڑھے بلوچوں سے تاریخی اور قبائل کے احوال پوچھ کر ۱۸۷۲ء میں اردو تصنیف ''گل بہار'' شائع کرائی جس میں جزوی طور پر بلوچی اشعار تبدیل کیے۔ اس مصنف کے مطابق ۱۸۶۷ء میں مری اور بگٹی قبائل کے عام لوگ: دیسی زبان (اُردو) سے نابلد تھے۔۳۶؎

یہ وہ عہد ہے جس میں ہتو رام جیسے اردو بولنے والے انگریزی اہل کاروں کا، اندرون بلوچستان، بلوچ قبائل سے رابطہ وسیع ہو چکا تھا۔بندوبستِ اراضیات کا سلسلہ عمل میں آ رہا تھا۔۱۸۷۲ء میں ڈیرہ غازی خان، کوٹ قیصرانی قبیلہ نے اپنے قبیلے کا قریباً سو صفحاتی شجرہ نسب اردو میں رقم کراتے ہوئے سرکاری قانونی بندوبست ضلع ڈیرہ غازی خان کا حصہ بنایا۔اس اُردو شجرہ نسب سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم بلوچ، گوت قیصرانی مالک بنیادی

قیصر خان

[اولاد] اوّل [اولاد] دوم

خون دیّن بدّاع لشکریے واسُو [واصف] خرم [خرم] جالُو [ت]

صفحہ۲ سطر۱۱ صفحہ۳۱ سطر۹ صفحہ۵۴ سطر۱۰

صفحہ۷۹ سطر۱۱ اسکو بروئی تقسیم دیہہ ہذا میں حصہ نہیں ہے صفحہ۸۶ سطر۷'' ۳۷

قیصرانی قبیلہ نے ۱۵ر نومبر ۱۸۷۳ء کو منتخب کھیوٹ موضع کوٹ قیصرانی، تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خان بھی اردو میں تکمیل پذیر کرایا۔ اسی سال بلوچستان کے جنوب مغربی حصے سیستان کو انگریزوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ داخلی سیستان: نیزار سے شمالاً سیاہ کوہ تک، دریائے ہلمند کے مغرب میں ۱۵۰۰ مربع کلومیٹر اور ۴۵ ہزار بلوچ آبادی کا علاقہ ایران کے حوالے کر دیا گیا جب کہ خارجی سیستان کا علاقہ دریائے ہلمند مشرقی علاقہ افغانستان کو دے دیا گیا۔ اس علاقہ میں انگریزی اور اردو بولنے والے اہل کاروں کی آمد و رفت جاری رہی۔ ۱۸۷۴ء میں گلیڈسٹون نے بلوچی ہینڈ بک لکھی۔ ۱۸۷۵ء میں ہتورام نے ''بلوچی نامہ'' مرتب کیا جس میں، بلوچ بزرگان سے معلومات پوچھ کر درج کیں۔ ۱۸۷۵ء میں منشی کے حکم چند نے ضخیم ''تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان'' لکھی۔ یکم جنوری ۱۸۷۶ء کو خان بلوچستان میر خداداد خان نے مستونگ میں دربار خاص منعقد کیا جس میں ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن سنڈیمن اور متعدد بلوچ سردار شریک ہوئے۔ خانِ قلات نے تقریر کی جس کے مندرجات اردو میں ملتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''درباب درہ بولان آمد و رفت تجارت اگر میری صلاح لی جاوے تو بولان کا کھولنا کچھ ضرورت نہیں بدستور بند رہے کہ آمد و رفت سوداگران براہ موڑہ (مولہ) کے ہوا کرے۔ براہ موڑہ قافلہ جات آوینگے، ہم حفاظت کر سکتے ہیں اور ذمہ دار رہیں گے۔ آگے سرکار کا منشا ہے کہ بہر حال بولان کھولا جاوے تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ صرف اس قدر ہوگا کہ ہمارا ایک تھانہ شال کوٹ اور ثانی ڈاڈھر میں رہتا ہے۔ یہ دونوں جس قدر ہو سکے گا، مدد دیوینگے۔ پیشتر کڑتہ فوج رہتی تھی، اب وہ شہر ویران ہو گیا۔ فوج وہاں نہیں رہ سکتی کہ فوج کے واسطے نہایت تکلیف ہوگی۔ بولان کو ہم نے بند نہیں کیا مربودر صاحب اور ہیریسن صاحب نے ہر جگہ مشتہر کیا کہ بولان بند ہے، اس راستہ سے کوئی نہ جاوے۔ چنانچہ قندھار میں بھی منادی ہوا تھا۔ تب ہم نے فوج واپس منگوالی۔'' ۳۸

۱۸۷۵ء تا ۱۸۸۰ء ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز نے بلوچوں سے بلوچی نظمیں پوچھ کر جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شائع کرائیں۔ ۱۳ر جولائی ۱۸۷۶ء کو خان بلوچستان اور برطانوی کیپٹن سنڈیمن کے مابین معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت انگریزوں نے کوئٹہ، نصیر آباد اور نوشکی کے علاقے لیز پر لے کر برٹش بلوچستان کی بنیاد رکھی۔ ۲۱ر فروری ۱۸۷۷ء کو انگریز بلوچستان پر قابض ہوئے۔ ۱۸۷۷ء میں رچرڈ برٹن نے ''سفرنامہ سندھ'' کے مقالہ میں تین بلوچی منظومات شامل کیں۔ ۱۸۷۷ء میں ہائی اسکول کراچی کے استاد مولوی اللہ بخش زہری نے ۱۵۴ صفحات پر مشتمل تصنیف: ''ہینڈ بک آف براہوئی لینگویج'' سندھی رسم الخط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں شائع کرائی۔ ۱۸۸۳ء میں انگریزوں کا پہلا پولیٹیکل ایجنٹ بارنس بلوچستان میں تعینات ہوا۔ ۱۸۸۴ء میں برٹش بلوچستان، خان قلات سے پٹہ پر لیا گیا جس میں نصیر آباد، بولان، کوئٹہ اور چاغی کے علاقے شامل تھے۔ ۱۸۷۷ء۔ ۱۸۹۲ء رابرٹ سنڈیمن، بلوچستان میں انگریزی حکومت کے نائب کی حیثیت سے موجود رہا۔ اس عرصے میں بلوچستان کے طول وعرض میں سڑکوں، پلوں، چھاؤنیوں، ریلوے لائنوں، سرنگوں کی تعمیر، ٹیلی فون و ٹیلی گراف لائنوں، مختلف محکموں، کارخانوں، کانوں کی کھدائی کا اجرا ہوا جہاں ہندوستان سے اردو بولنے والے، مزدور، ملازموں، اہل کاروں اور افسروں کی کھیپ کی کھیپ بلوچستان وارد ہوئی جن سے بلوچوں کا وسیع تر، لامحدود تعارف، تال میل اور رابطہ استوار ہوا۔ بلوچ خود بھی روزگار میسر ہونے والے ان محکموں میں ملازم ہونے لگے۔ ان ایام میں سندھ میں بلوچ شعرا بدستور اردو سخن پروری میں مصروف رہے۔ ان میں سوبھا فقیر لغاری (۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) بن احمد لغاری ساکن ڈہرکی (قصبہ داؤد دالا) بعدہ داد لغاری تعلقہ میر پور ماتھیلو سکھر شامل ہیں۔ انھوں نے فارسی تعلیم پائی۔ حضرت پیر محکم الدین سیلائیؒ کے سجادہ نشیں پیر محمد عارفؒ کے مرید تھے، عمر بھر مجرد رہے۔ مزار، میر پور ماتھیلو، گوٹھ عالمانی میں مرجع خلائق ہے۔ سندھی، سرائیکی کافیوں اور نظموں کا مجموعہ ''دیوان دردِ عشق'' شائع ہوا۔ انھوں نے نظیر اکبر آبادی کے مصرع: ''سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا'' کی تضمین کی۔ کلام سے ایک اردو مصرع ملاحظہ ہو:

سوبھا عشق جنھیں سرایا، سمجھو سا جن پاوے گا''۳۹

سندھ میں میر محمد حسن علی خان حسن، سرکار رفعت مدار (۲۶ ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۶ء۔ ۱۵ ذی الحج ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۷ء) بن میر نصیر خان والی سندھ، نے فارسی، سندھی اور اردو شاعری کی روایت کو تابندہ رکھا انھیں شکست سندھ کے بعد ۱۲۵۹ھ میں اسیر بنا کر کلکتہ لے جایا گیا بیس سال بعد رہا ہو کر حیدر آباد آئے۔ عالم فاضل تھے۔ عیسائیت کے خلاف جہاد بالسیف اور جہاد بالقلم کیا۔ پادری ''فانڈر'' کی کتاب کے جواب میں تصنیف: ''لسان الحق'' لکھ کر ۱۳۵۸ھ میں مطبع سلطان لاہور سے شائع کرائی۔ پادری عماد الدین پانی پتی کے رسالہ ''تحقیق الایمان'' کے جواب میں ''احسن البیان'' لکھی۔ ''رویائے صادقہ'' (فارسی نظم ونثر۔ دیوان میر محمد حسن (قصائد مراثی، مناجات)، مختار نامہ (سندھی)، نہر البکاء (سندھی)، فتح نامہ سندھ (سندھی مثنوی)، حملہ حیدری (نثر سندھی)، ان کی دیگر تصانیف ہیں۔ امام حسنؓ و حسینؓ کے بارے میں ان کے چند منقبتی اشعار ملاحظہ ہوں:

''یاں شجر شرافت کے جو گوہر ہیں تو دو ہیں
دریائے شجاعت کے شناور ہیں تو دو ہیں
اسرار امامت کے جو دفتر ہیں تو دو ہیں
ہاں تیغ و دو پیکر کے جو جوہر ہیں تو وہ ہیں
خاتون قیامت کے جواہر ہیں تو دو ہیں'' ۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹنڈو ولی محمد خان کے ساکن نواب فقیر ولی محمد خان لغاری (۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء۔۱۴رمضان ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء) بن نواب احمد خان بن نواب ولی محمد خان لغاری وزیر اعظم ریاست سندھ بھی مشق سخن جاری رکھے ہوئے تھے۔ فارسی، سندھی، سرائیکی اور اردو کے شاعر تھے۔ تاج پور، تعلقہ سکرنڈ میں مدفون ہیں۔ اردو میں ۱۴ کافیاں اور ایک شعر موجود ہے۔ فارسی اردو ریختہ کی صورت بھی اشعار کہے۔ صوفیانہ کلام بہ انداز غزل، حافظ شیرازی کی یاد تازہ کرتا ہے، جیسے:

''پیالہ مجھ دیا صوفی شراب بے حجابی کا — ہو یاد بیدار دل اندر، صنم کے ماہ تابی کا
حسن کا دیکھا جب دفتر، عقل گم ہو گیا ابتر — تھیا ظلمات سے ظاہر، شعار آفتابی کا

صبا مژدہ اے مارا، کہ آں دل دار کب آوے — وصال یاری خواہم، پری رخسار کب آوے
چو یعقوب ہجر دارم کہ ماہ مصری بینم — چو بلبل درچمن پرسم گل گل زار کب آوے
ولی محمد طریق عشق می بینی در ایں منزل — کہ جز منصور در وحدت کسے، بر، دار کب آوے'' ۴۱

سندھ کے نواب نظر علی خان لغاری (۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء۔۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء) بن نواب غلام محمد لغاری فارسی کے شاعر ہے جن کا کلام ''دیوان غلام'' ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے سندھی ادبی بورڈ سے شائع کرایا۔ انھوں نے محکمہ آب پاشی میں ملازمت کی۔ سیر و سیاحت سے شغف رکھا۔ راج پور، راول پنڈی اور رنگون تک گئے جہاں سے منظوم اردو خط ارسال کیا۔ بلوچ اردو نگاروں میں انھوں نے، منظوم خط نگاری کی نئی طرح ڈالی۔ حج پر گئے اور مدینہ منورہ میں واصل بحق ہوئے۔ خط کے چند اشعار دیکھیے:

''فتح خیبر کیا لاریب جس نے — پہلو ان وہ علی حیدرؓ دکھا دے
دکھا ہمشیرزاد تینوں تو مجھ کو — اور ان کی آبرو بہ تر وکھادے'' ۴۲

سندھ کے نواب حسین علی خان لغاری (۵ ربیع الاول ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء۔ ۶ صفر ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) بن نواب اللہ داد خان صوفی سندھی زبان میں کافی گو شاعر تھے انھوں اردو شاعری بھی کی۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

مجھے اس ماہ خوبی نے، حسن کی جلوہ دکھلائی — اتر گئے سب الم دل توں، رہنے سینے مصفائی
ہوا روشن چمن سارا، بہارستان لگی دل میں — کھلے گل ہر طرف ظاہر، برہ جب بوند برسائی'' ۴۳

فارسی سندھی، سرائیکی اور اردو کے باکمال بلوچ شاعر میر عبدالحسین سانگی (۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء۔۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء) بن میر عباس علی خان بن نصیر خان ٹالپر بلوچ، کلکتہ میں والد کی اسیری کے دوران پیدا ہوئے۔ والدہ، انگریز خاتون تھیں۔ ۱۸۶۳ء میں بعمر ۱۲ سال قید سے رہائی پائی۔ سندھ لوٹے۔ اعلی تعلیم پائی۔ مجسٹریٹ درجہ اول تعینات ہوئے۔ سندھی میں ''سانگی جب کہ اردو اور فارسی میں ''عبدالحسین'' تخلص کرتے تھے۔ اردو شاعری میں مولوی ابوالحسن بن مولوی مہدی حسن لکھنوی سے اصلاح لی۔ کافی نگار تھے۔ کافیوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجموعہ ''سوز سانگی'' ہے مگر ناپید ہے۔ متعدد ''شاہ جو رسالو'' نقل کروائے۔ خود بھی نقل کیے۔ بھٹائی کے بارے میں روایات کو فارسی میں ''لطائف لطیفی'' کی صورت ۱۹ جولائی ۱۸۸۸ء کو مرتب کیا جسے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کمیٹی کی طرف سے ۱۹۶۷ء میں شائع کرایا۔ موصوف نے ۱۹۰۴ء میں چھ سندھی افسانے شائع کرائے۔ ۱۹۰۴ء تک دو شعری دیوان شائع کرائے جب کہ تیسرا دیوان ۱۹۰۸ء میں مرتب کیا۔ ان تینوں دواوین ۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے ''کلیات سانگی'' کی صورت، سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سے شائع کرائے۔ کلیات میں ۵۴ اردو غزلیات اور ایک منظوم خط شامل ہے۔ یہ بلوچ شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے قریب مدفون ہیں۔ اچھوتے خیالات، نئے مضامین، سراپا نگاری، صنعت تکرار ان کی غزل کا حسن ہیں۔ کچھ منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

''خطا کا بانی ہے تیرا خاطی تو اپنے لائق عطا عطا کر
ہوا ہوں تیری عطا کا باعث، اے میرے خالق عطا عطا کر
غلام اپنے تھے بخت و دولت، کیا ہے آزاد ان کو میں نے
بجاتے ہیں جو طبل سلاطیں، میں اس کو چھوڑا بجا بجا کر

دن کو چڑھتے شرارے آہوں کے رات کو تارے وہ نکلتے ہیں
ایک دن پھر کے کوئے جاناں میں جائیں گے روز یوں سنبھلتے ہیں

طائر دل اب نہ کیوں کر ہو گرفتارِ بلا
دام والے زلف پیچاں ہیں پریشان آج کل
حسن روز افزوں کو تیرے دیکھ کر اے مہ لقا
ہے خیال روئے میں آئینہ حیراں آج کل
تیری چوٹی کے ستارے کی چمک کو دیکھ کر
ذرّہ سا شرمندہ ہے خورشید رخشاں آج کل

کاٹ لیتا ہے جو دے دل اُس کو
زلف کا سب سے ہے نرالا سانپ

غفلت سے اس صنم کے تصور میں گر کبھی
مسجد میں جا کے بیٹھے تو بت خانہ ہو گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصال یار تو خلد بریں ہے اے زاہد
سنا جو تو نے ہے دوزخ وہ بے گماں، فراق'' ۴۴

انیسویں صدی کے آخری نصف حصے میں شیخ ال بلوچستان حضرت مولانا محمد فاضل رئیسانی دُرخانی: (۱۲۴۶ھ/۱۸۲۲ء۔۱۹/شوال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۶ء) آسمان ادب پر مطلع انوار کی طرح نمودار ہوئے۔۱۸۶۰ء میں قصبہ دُرخان نزد ڈھاڈر میں دینی مدرسہ قائم کیا جس سے طالبان علم کا ایک حلقہ فیض یاب ہوا۔ان میں مولانا نبو جان، مولانا عبداللہ دُرخانی، مولانا عبدالمجید، مولانا عبدالباقی، مولانا عبدالحئی، مولانا محمد عمر دین پوری اور مولانا حضور بخش جلوئی قابل ذکر ہیں۔مولانا موصوف نے ۱۸۸۳ء میں سلسلہء اشاعتِ کتب شروع کیا اور مجموعی طور پر اس مکتبہ سے ۳۳۲ کتب شائع کرائی گئیں جن میں ۲۰۰ براہوئی، ۹۱ بلوچی، ۱۱ فارسی، ۱۰ عربی، ۱۵ اردو اور ۲ سندھی کتب شامل ہیں۔۴۵

حاجی مولانا نبو جان (پ: ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء) بن محمد رمضان قلندرانی ساکن چوتوں مستونگ بلوچستان، نے عربی/اردو رسم الخط کی حامل متعدد براہوئی تصانیف شائع کرائیں جن میں: تحفۃ الغرائب (۱۸۹۲ء) لاہور، مطبع محمدی، [۲۵۵ براہوئی اشعار]۔ عمدۃ البیان (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) صفحات ۱۲، [۱۲۶۹ اشعار]۔ ناصح البلوچ (۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء)، [۵۴۵ اشعار]۔ نصیحت نامہ (۱۹۱۶ء) صفحات ۵۶، شامل ہیں۔۴۶

ایسی براہوئی تصانیف سے بلوچستان میں علم وآگہی کی فضا برقرار رہی جن کے جمال روشن سے آئندہ خواندہ لوگوں کے لیے اردو کی راہ ہموار ہوئی۔

۱۸۸۷ء میں جب ''برٹش بلوچستان ایجنسی کوئٹہ'' کا قیام عمل میں آیا تو بلوچستانی دفاتر میں اُردو خط وکتابت کو ترقی ہوئی جب کہ ریاست قلات کی دفتری زبان ابھی فارسی تھی جو ۱۴۱۰ء تا ۱۸۹۳ء برقرار رہی۔ بعدہ ریاست قلات میں بھی اُردو نویسی شروع ہوئی۔اسی عہد میں بلوچ وبلوچستان کی سیاسی وجغرافیائی یک جہتی پر کاری ضرب لگانے کی خاطر انگریزوں نے بلوچستان کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا۔۱۸۸۹ء میں گنڈامک معاہدہ ہوا۔۱۸۹۱ء میں ایک لاکھ مربع میل بلوچ علاقہ مع بلوچ آبادی، گولڈاسمتھ لائن کے ذریعے ایرانی حکومت کے حوالے کیا گیا۔۱۲/نومبر ۱۸۹۳ء کو سر مورٹیمر ڈیورنڈ اور امیر عبدالرحمٰن والی کابل کے منشاء پر بلوچستان کا ۱۲۰۰ کلومیٹر علاقہ افغانستان کے حوالے کر دیا گیا۔مرکزی ریاست قلات کو تین مزید ریاستوں، مکران، خاران اور لس بیلہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ڈیرہ غازی خان کو میر عبداللہ خان کے زمانے سے الگ کر لیا گیا۔۱۸۹۰ء میں فورٹ سنڈیمن چھاؤنی قائم کر لی گئی جب کہ بلوچی ادب کے حوالے سے ۱۸۹۱ء میں لانگ ورتھ ڈیمز نے کہانیوں اور نظموں کی حامل تصنیف: ''بلوچی ٹیکسٹ بک'' شائع کرائی۔رائے بہادر ہتو رام نے ۱۸۹۶ء میں ''بلوچی نامہ'' شائع کرایا جس میں اردو بلوچی لفظیات کا اشتراک برقرار رہا۔اسی عہد میں یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو اندرون کوہ سلیمان، ڈیرہ غازی خان کے بلوچ سردار محمد حسین بزدار کی قبائلی معاملات پر نوشتہ درخواست اردو میں ملتی ہے جس کا اقتباس ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''جنابعالے...

ملیئے ذئی ولیانے ولاڈ وفرقہ لوئی بعہد سرابرٹ سند منڈ [سنڈیمن] صاحب بہادر مابعد کوچ کر جانے سردار پدید خان کے واپس آ کر مواقعات متنازعہ پر جو اس وقت بھے زیر قبضہ مردم بزداران کے تھانز د صاحبان خان غلاما نے مقدم بزدار کے ہمسایہ کے طور آ کر رہے اور مردم بزداران ہمیشہ ان کی مدد کرتے رہے۔ چنانچہ ان ایام مین مردم گور چانے گھل کشے کر کے اندر پور و جامٹ سے مال شتری ازاں مردم ملیئے ذئی ولاڈ و دلیانے کر لیے گئے تھے جس کی واپسے کے تدارک واسطے صاحبان خان مقدم بوجہ اس کی کہ وہ اس کی ہمسایہ تھے نزد نواب جمال خان صاحب تمندار لغاریان مرحوم کے برائے لینے امداد گئے جو اس وقت نواب صاحب مرحوم نے اپنے خلف نواب محمد خان صاحب کو مزوگلات پر بخدمت سرابرٹ سند منڈ صاحب بہادر بھیجا جو صاحب ممدوح نے حسب معروضہ نواب صاحب موصوف مردم گوچانے سے گل مال ڈاچی صاحبان خان غلامانے کو دلوادیا جو اس نے مردم ملیئے ذئی وغیرہ مندرجگان کو واپس لادیا جس کی مسل دفتر مین موجود ہے اور اس امر کی تصدیق اس وقت نواب محمد خان صاحب جو موجود ہین ہوسکتی ہے... سردار محمد حسین خان تمندار بزداران مع مقدمان۔''[۴۷]

سردار قیصر خان کبیر رند بلوچ (۱۴۴۰ء۔۱۵۶۰ء) اول متوطن کیچ مکران جد امجد قیصرانی قبیلہ کی مملوکہ اراضیات کی دستاویزات تقسیمی بتاریخ ۲۸/ مارچ ۱۸۹۹ء، اردو اور انگریزی میں ملتی ہیں جہاں اس قبیلہ کی تین بڑی شاخوں: ''بڈاع'' کو ۲۸ مواضعات: ''لشکری'' کو ۳۰ مواضعات اور ''خوب دین'' کو چھبیس (۲۶) مواضعات ملے جب کہ گیارہ (۱۱) مواضعات مشترک رکھے گئے۔ اس پر ڈیرہ غازی خان کے قوی بلوچ سرداران کی تصدیقی مہریں نیز دستخط: اردو اور انگریزی میں ثبت نظر آتے ہیں۔ اس اردو دستاویز میں شامل حصہ شاخ ''لشکری'' کے چند مواضعات کے نام اور اردو دستخطوں کا حوالہ ملاحظہ ہو:

''کہدی سالم۔ تھل نیلی دو ثلث۔ زیلبی سالم۔ گو اغاڑہ او پروالا سالم۔ پھوگی سالم۔ لکھی سالم۔ ستہ سالم۔ حاجن سالم۔ رستمی سالم۔ حسی سالم۔ کہان تھل سالم۔ گوری جنوبی سالم۔..... نواب سردار امام بخش خانصاحب بہادر [مزاری] (مہر انگشتری)۔ سردار تکیہ خانصاحب [لیغاری] (مہر انگشتری)۔ سردار محمد بہرام خانصاحب (مہر انگشتری)۔ سردار بہادر خانصاحب (دست خط انگریزی)۔ سردار جلب خانصاحب [گوشانی] (دست خط اردو)۔ سردار فضل علی خانصاحب [قیصرانی] (دست خط اردو)۔ سردار محمد حسین خانصاحب [بزدار] (مہر انگشتری)۔ سردار مزار خانصاحب (دست خط اردو)۔ سردار نورنگ خانصاحب (مہر انگشتری)۔''[۴۸]

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز پر انگریز مستشرقین اور اردو بولنے والے انگریزی اہل کاروں کا بلوچوں سے لسانی تال میل کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا۔ پادری ٹی جے ایل میئر نے ۱۸۹۹ء میں بلوچ علاقہ فورٹ منرو ڈیرہ غازی خان سے ۲۲۷ صفحاتی انگریزی بلوچی ڈکشنری شائع کرائی جو بار دیگر ۱۹۰۹ء میں شائع کرائی گئی۔ میئر نے ۱۹۰۶ء میں بلوچی نظمیں جمع کر کے شائع کرائیں جنھیں بعدہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے ''عہدی شاعری'' کی صورت اردو ترجمہ کر کے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع کرایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۰۴ء میں ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر لاگ ورتھ ڈیمز نے بلوچ تاریخ دانوں سے قدیم بلوچی احوال پوچھ کر انھیں ''دی بلوچ ریس'' کی صورت لاہو سے طبع کرایا۔ اسی برس مستشرق سر ڈین ایس برے (Sir Deny De Samurza Bray) نے ''دی براہوئی لینگوئج، جلد اوّل'' کلکتہ سے شائع کرائی۔ انھوں نے اس کی دو مزید جلدیں ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء میں بھی شائع کرائیں۔ ۲۱/مارچ ۱۹۰۵ء کو انگریزوں نے کوئٹہ میں سٹاف کالج قائم کیا۔ اسی سال پادری ٹی جے ایل میئر نے ۱۴۴ صفحاتی انجیل ''یوحنا'' کو رومن رسم الخط میں معہ براہوئی نستعلیق ترجمہ شائع کیا۔ ۱۹۰۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن لدھیانہ سے اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۰۷ء میں شائع کرایا گیا۔ اسی مصنف نے اسی سال ''اے براہوئی ریڈنگ بک'' بھی شائع کرائی۔ ہندی نژاد جمعیت رائے نے رومن رسم الخط میں ۱۲۵ صفحاتی تصنیف: ''نوٹس ان دی سٹڈی آف براہوئی لینگویج'' کرزن پریس کوئٹہ سے ۱۹۰۷ء میں شائع کرائی۔ ہتورام نے ضخیم ''تاریخ بلوچستان'' اسی سال شائع کرائی۔ ڈپٹی کمشنر لانگ ورتھ ڈیمز نے کلاسک تصنیف: ''پاپولر پوئٹری آف بلوچس'' اسی سال فوک اور سوسائٹی لندن سے طبع کرائی جس کی بلوچی نظمیں اور ان کی توضیحات ڈیرہ غازی خان اور راجن پور کے بلوچ شعرا نے فراہم کیں۔ بعدہ اس تصنیف کا اردو نثری ترجمہ سابق گورنر بلوچستان میر خدا بخش بجارانی مری نے بہ عنوان ''قدیم بلوچی شاعری'' کیا۔ ۱۹۰۵ء جب عیسائی مشنریوں نے یوحنا کے بلوچی اور براہوئی تراجم اس نظریے کے تحت کیے کہ بلوچ اپنی سادگی اور کم خواندگی کے سبب عیسائی بن جائیں گے تو دفاع میں مکتبہ دُرخان کے علماء نے قرآن مجید کے بلوچی اور براہوئی تراجم پیش کیے۔ اسی مکتبہ نے بلوچی کا اولیں قاعدہ بھی مرتب کیا۔ مولانا حضور بخش جتوئی نے قرآن مجید کا سلیس بلوچی ترجمہ کیا۔ مکتبہ دُرخان کے موجب، بلوچستان میں ایک علمی اور فکری فضا برقرار رہی۔

بیسویں صدی کے نصف اوّل میں سندھ کے بلوچ شعرا گیسوئے اردو کو مشاطگی سے متواتر تاب دار کرتے رہے گو کہ بلوچ شعرائے سندھ کے ہاں کوئی انقلابی فکری نظام مفقود ہے مگر سندھ میں انھوں نے روایتِ غزل کو تقویت بہم پہنچائی۔ ان میں: میر علی نواز خان ناز تالپور (۱۲۹۱ھ/۹ اگست ۱۸۷۴ء۔ ۱۳۵۴ھ/۲۵ دسمبر ۱۹۳۵ء) بن امام بخش خان بن میر فیض محمد خان نمایاں ہیں۔ موصوف ریاست خیر پور میرس کے قدیم پایۂ تخت کوٹ ڈیجی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل کی۔ پھر چیفس کالج لاہور اور مزید تعلیم انگلستان سے حاصل کی۔ ۸/فروری ۱۹۳۱ء کو والد کی رحلت کے بعد ''فیض محل'' میں تخت نشیں کیے گئے اور انگریز پولیٹیکل ایجنٹ شریک تقریب رہے۔ فارسی، سندھی، سرائیکی اور اُردو غزل کے شاعر نیز صاحب دیوان تھے۔ تصانیف میں: ''آتش عشق۔ خلوت عشق۔ گل دستہ ناز مطبوعہ دہلی ۱۹۲۲ء۔ رباعیات عمر خیام (اردو ترجمہ)'' شامل ہیں۔ وصیت کے مطابق کربلائے معلّی میں دفن کیے گئے۔ ان کی شاعری: حمدیہ اشعار، شیخ سے چھیڑ چھاڑ، لکھنوی مبالغہ آرائی، رنگِ غالب، فکرِ اقبال اور فضائے غزل کا پرتو لیے ہوئے ہے۔ کچھ چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں:

'' ناقص سے کیا بیاں ہو یارب کمال تیرا — خورشید و ماہ میں ہے جاہ و جلال تیرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصویر تیری پائی آئینہ نظر میں
فانوسِ دل میں دیکھا روشن خیال تیرا

سہل ہے ذرے کا خورشیدِ درخشاں ہونا
آدمی کا مگر آساں نہیں انساں ہونا

کہیں پگڑی اتر نہ جائے شیخ
بادہ خواروں سے مفت اڑتے ہوئے

دل مرا جب سے لیا آنکھ ملاتے ہی نہیں
ان سے سیکھے کوئی شرمندۂ احساں ہونا

سخت باتوں پر عدو کی ناز دل بوجھل نہ کر
سیکھ نخل بارود سے جا کے پتھر کا جواب

تڑپا ہے کیسا کیسا دل بے قرار رات
گزرے کسی پہ ایسی نہ پروردگار رات
اس شمع رُو کو دیکھ کر بزم رقیب میں
جلتا رہا میں رشک سے پروانہ وار رات

شب ِفراق جنوں نے یہ پاؤں پھیلائے
کہ تنگ ہو گیا صحرا مرے مکاں کی طرح

خامشی عرضِ حال ہے شاید
مر ی صورت سوال ہے شاید

بلبل خزاں میں خاروخسِ آشیاں نہ ڈھونڈ
اجڑے ہوئے چمن میں نشانِ مکاں نہ ڈھونڈ
تار نظر ہوں خود، نظر آنا محال ہے
اے لاغری نشانِ تن ناتواں نہ ڈھونڈ

ہزار چھوٹے شگوفے کوئی چمن کی طرف
ہمارا روئے سخن ہے ترے دہن کی طرف
جو پوچھتا ہوں تماشائے حشر ہے کس جا؟
اشارہ کرتے ہیں سب تیری انجمن کی طرف

دیکھنا جذبِ وفا میں شوخی تحریرِ شوق
رنگ ِ رُخ اڑتا گیا بنتی گئی تصویرِ شوق

پھر ان کے وعدے پہ ہم اعتبار کرتے ہیں
پھر انتظارِ شب انتظار کرتے ہیں

شیشہ دل کو مئے شوق سے لبریز نہ کر
یہ پری لے کے نہ اڑ جائے پری خانے کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی میں سب ہیں گرم جستجو ہے ہر اک منزل کو منزل کی تلاش

نہ آرزو، نہ تمنا، نہ جذبِ شوق ، نہ عشق بجز نیاز ہے کیا ، نازِ نیم جاں کے پاس

مجھ کو جلا رہا ہے شب ہجر چاند بھی پھیلی ہے چاندنی کے عوض میرے گھر میں آگ

یہ کون بہ ربطِ دل پر ہے زمزمہ پرداز میں سن رہا ہوں عجب اک لطیف سی آواز

گماں یہ ہوتا ہے رہ رہ کے دل کی دھڑکن پر مجھے کسی نے پکارا، کسی نے دی آواز

مری نگاہ نہیں جلوہ آشنا ورنہ ہر ایک ذرۂ عالم ہے آفتاب طراز“ ۴۹

بیسویں صدی کے اولیں عشرے میں ”بلوچ۔ اُردو رابطہ“ منظر نامہ نے ایک نیا روپ بدلا۔ بلوچ طلباء، برصغیر میں انگریزوں کے قائم کردہ اسکولوں سے، تعلیم یافتہ ہوکر درس وتدریس سے وابستہ ہونے لگےاور پھر صاحب ذوق طلبہ واساتذہ اردو نظم نگاری، مضمون نگاری اور کتب نگاری کے میدان میں اترے، جیسے ۱۹۰۷ء میں سوگڑ تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان کے استاد اللہ بخش خان نوذحق خانی بلوچ نے خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ کا تذکرۂ حیات: ”خاتم سلیمانیؒ“ شائع کرایا۔ انھوں نے ۱۹۰۹ء میں اپنی دوسری نثری تصنیف: ”کشف الصدور فی زیارت القبور“ بھی شائع کرائی۔ اسی اولیں عشرے ۱۹۱۰ء میں ریاست، مکران بلوچستان کے بلوچ نواب بھی اردو میں مراسلت کرتے نظر آتے ہیں، جیسے:

”بمقدمہ میر کمال خان بزنجو سکنہ پیدارک ، مدعی۔ بنام خان بہادر سردار میر محمد حسن خان گچکی سکنہ سامی مدعا علیہ نمبرا۔

دعویٰ کاریز چمگ واقعہ سامی۔

بحضور جناب الاشان صاحب بہادر پولیٹیکل ایجنٹ صاحب قلات وبولان دام اقبالہ۔

بعد از نیاز آنکہ بمقدمہ مندرجہ صدر مراسلہ حضور انور نمبری ۱۱۰ مورخہ ۴ جون ۱۹۱۰ء بدیں مضمون موصول سررشتہ ہذا کے ہوا کہ اندریں بارہ آپ کی طرف سے مزید رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں بعد کارروائی مزید نتیجہ سے اطلاع دیویں۔ برجواب آں گزارش ہے کہ ہم نے اپنی رپورٹ نمبر ۲۳۳۳ مورخہ ۱۴ رمئی ۱۹۱۰ء میں اظہار کیا تھا کہ فریقین کو بمراد تکمیل تک پہنچانے کاریز جس قدر کنویں کہ ہر ایک احداث کر چکے تھے، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگ اپنی اپنی کاریز ان کو مکمل کریں اور جب کہ دونوں فریقین کی کاریز تکمیل پہنچ جادیں اوسوقت موقع پر جا کر ملاحظہ کیا جادے گا کہ آیا کسی فریق کی کاریز کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے یا چگونہ۔ چونکہ خان بہادر سردار محمد حسن اپنی کاریز کا کام کرارہاہے اور اب تک اس کی کاریز نو تکمیل تک نہیں پہنچی جب کہ سردار مذکور کی کاریز کام کام ہو جادے گا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موسم سرما میں ہم بھی تربیت جاویں گے اوسوقت موقع پر جا کر ملاحظہ کریں گے اور بعد کارروائی مناسب کاغذات
بمرادملاحظہ حضورارسال کریں گے۔مراسلہ ہذا اطلاعاً ارسال بحضور ہے۔زیادہ نیاز۔فقط
مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۱۰ء ......العبد نواب میر مہراللہ خان صاحب۔ای۔ای۔ناظم مکران نمبر ۶۴۵۴ر
جولائی ۱۹۱۰ء ڈاک نمبر ۲۹۰۹'' ۵۰

گزشتہ صدی میں گنبد نیلوفری نے کئی پیراہن بدلے۔ عالمی جنگ اول کا آغاز ہوا تو ۲۵ر اگست ۱۹۱۴ء کو جام پور، ڈیرہ غازی خان کے دوست محمد حجانہ بلوچ نے اردو پمفلٹ: ''تاج برطانیہ کی خیر مسلمان طلباء کی دعا'' شائع کیا۔ وہ قبل ازیں ہفت روزہ اخبار ''المعین'' امرتسر بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی عہد میں فیض محمد فیصل فقیر (پ: ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء) بن خان محمد لاشاری، گاجان، بلوچستان: بلوچی، براہوئی، سندھی اور اردو سخن طرازی میں مگن تھے جن کا ۲۵۰ صفحاتی قلمی دیوان پانچ حصص: ''دیوان فیض، غزلیات فیض، عین العشق، فیض حق، گلشن اشعار'' کا حامل ہے۔ ۱۹۱۷ء میں بائبل سوسائٹی پنجاب نے ''یوحنا'' کا بلوچی ترجمہ کر کے بلوچستان میں پھیلایا۔ ۱۹۱۸ء میں انگریزوں نے مری بلوچ قبیلے پر حرب میں پہلی بار ہوائی حملے کیے جن کے ردعمل میں یادگار بلوچی رزمیے تخلیق ہوئے جو بعد میں اردو رسم الخط میں شائع ہوئے۔ لانگ ورتھ ڈیمز نے ۱۹۲۲ء میں، رومن بلوچی رسم الخط میں انگریزی بلوچی قصے شائع کیے جنھیں بعد میں اردو رسم الخط میں ملک محمد پناہ نے بعنوان ''گیذی کسہ'' بلوچی تاریخ وشجرہ جات کے بارے میں ''دی ایتھنوگرافیکل سکیچ آف دی بلوچ ریس''، لکھی جس کا اردو ترجمہ سید کامل القادری نے بعنوان ''بلوچ قبائل'' کیا اور اسے بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے شائع کیا۔ ۲۱۔۱۹۲۲ء میں لیاری کراچی کے بلوچ شاعر ملنگ شاہ ہاشمی (پ ۱۳۴۴ھ) نے اردو غزل گوئی میں قدم رکھا انھوں نے بمبئی کے اردو شاعر ظفر سے اصلاح لی مگر کلام معدوم ہے۔ ۱۹۳۸ء میں انھوں نے بلوچ غزل گوئی کی طرف رجوع کیا۔ بلوچی شاعرہ بانل دشتیاری، ان کی صاحب زادی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں بلوچ رجمنٹ میں شامل بلوچ جوانوں نے ترک مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے انکار کیا تو انھیں انگریزی فوج نے نکال دیا گیا۔ اردو سمجھنے اور کسی قدر بولنے والے یہ بلوچ نوجوان اپنے اپنے قبائل میں لوٹ آئے۔ ۱۹۲۵ء میں ڈیرہ غازی خان کے اولیں بلوچ مؤرخ سردار غلام رسول خان قرائی نے اردو میں ''تاریخ بلوچیان یا بلوچ پنجاب میں'' شائع کرائی جس میں بلوچی اشعار مع اردو ترجمہ پیش کیے۔ ۱۹۲۸ء۔ ۱۹۲۹ء میں ڈیرہ غازی خان کے بلوچ سرداروں کا ایک اعلیٰ وفد، ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر مسٹر ''گرے کوئین'' کے خلاف: بلوچوں کو جیل میں جھاڑو دینے، انھیں جیل کے کپڑے پہننے پر مجبور کرنے اور بلوچ اسیروں کو بوری میں بند کر کے ان پر کتے چھوڑنے کی شکایت لے کر، وائسرائے ہند سے ملاقات کے لیے شملہ گیا کہ:

''ھوُاراجِ موٹر عاں گرند عیں ملوکھ گُل لاھورءَ تیارعاں
شُذھ عغ عاں وئیسر ا ھندءَ ھم اوذاھر روش ، ھوُرگوُارعاں'' ۵۱

جہاں انھوں نے کم از کم ایک ہفتہ قیام کیا اور اس دوران ان کا اندرون ہندوستان کے اردو بولنے والوں سے میل جول رہا۔ ۱۹۲۸ء تک ایران کے بلوچ علاقوں کی حیثیت نیم خودمختار ریاست کی رہی جہاں بارخان زئی بلوچ خان دان حکمران تھا۔ وہاں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلوچ تعلیم، تجارت، روزگار کے سلسلے میں گوادر، مکران اور کراچی تک آتے جاتے رہے اور کسی حد تک اردو سے آشنا ہوتے رہے۔ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء جیکب آباد میں آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جہاں اردو میں تقریریں کی گئیں۔ ۱۹۳۲ء میں ہز ہائی نس نواب بہادر سر میر محمد اعظم خان، خان قلات نے دربار تاج پوشی کے موقع پر اردو میں تقریر کی۔ اس عہد میں بلوچستانی عالم مولانا حاجی عبدالمجید (۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء۔۱۹۳۸ء) بن مولانا نبو جان، ساکن چوتوں مستونگ نے فضائے بلوچستان کو ضیاباری علم و ادب سے روشن رکھا۔ انھوں نے مدرسہ دُرخان سے تعلیم حاصل کی۔ عربی/اردو رسم الخط میں متعدد تصانیف رقم کیں جن میں: ''تحفۃ الخلیل (۱۹۴۸ء) [منظوم احوال حضرت ابراہیم علیہ السلام]۔ جوش حبیبؐ (۱۲ شوال ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۷ء)۔ خطبات مجیدی۔ ریاض الجناں۔ شعلہ العشاق (قصہ زلیخا)۔ شمعۃ القلوب لاحرق الذنون (۱۹۳۸ء) صفحات ۲۰۰، [خطبات]۔ شہد و صفا۔ غیرت الاسلام، صفحات ۵۲، [جنگ نامہ محمد حنیفہ حصہ اوّل منظوم]۔ گلشن راغبین۔ مفرح القلوب (۱۳۳۴ء/۱۹۱۶ء) [۵۸۰ براہوئی اشعار]۔ ورا لمجیدی (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء)'' قابل ذکر ہیں۔

حاجی عبدالمجید کے ہم عصر مولوی عبداللہ دُرخانی بن حاجی محمد عظیم درخانی (پ ۱۱ محرم ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء۔ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۶۳ھ/فروری ۱۹۴۴ء) نے بھی بلوچستان میں سلسلۂ علم اور اشاعتِ تصنیفات کو جاری رکھا۔ ان کی والدہ مولانا فاضل محمد عرفانی کی دختر تھیں۔ والدہ اور نانا سے علم کی روشنی ورثہ میں ملی ۱۳۱۸ھ میں بستی بنگ ضلع سکھر سے فارغ التحصیل ہوئے۔ شکارپور سے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء۔ ۱۹۳۷ء ریاست قلات کے قاضی القضاۃ رہے۔ عربی، فارسی اور براہوئی کے شاعر و نثر نگار تھے۔ ان کی کچھ تصانیف کا تعارف درج ذیل ہے:۔ ''افازۃ المصلیٰ (۴ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء) لاہور، کواپریٹو سٹیم بلڈنگ، صفحات: ۸۸، [یہ بلوچستان میں کسی بلوچ کی عربی نثر کی اولیں تصنیف ہے۔ اس میں مسائل نماز حنفی مع فارسی نوشتہ ہیں] تحفۃ العوام (قلمی) راہ نامہ (قلمی)۔ سفر حجاز درخانی (۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) [فارسی نثر، سفر مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ اور زیارات کے احوال]۔ سلسلہ قبلہ چشموری (۲۱ صفر ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء) مطبع کریمی لاہور، نزد کوتوالی قدیم، باہتمام میر قدرت اللہ منیجر، پرنٹر و پروپرائٹر [مقام چشمہ شریف متصل کوئٹہ، فارسی نثر میں نقشبندی سلسلہ کے بزرگان کا تذکرہ] شمائل شریف (طبع اوّل، ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۵ء طبع ثانی، ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ/۶ ستمبر ۱۹۳۱ء) گیلانی الیکٹرک پریس لاہور، صفحات ۱۲۰، [حضور ﷺ کی سیرت، شمائل، عادات و اطوار کا براہوئی میں منظوم بیان]۔ فتویٰ درخانی جلد اوّل و جلد دوم [فارسی نثر، شرعی فتاوات، (قلمی)] کنز اخبار (قلمی)۔ معجزات شریفہ (۱۴ صفر ۱۳۵۰ھ/یکم جولائی ۱۹۳۱ء) عباس لیتھو آرٹس پریس کراچی، صفحات ۸۰، [حمد و نعت، فوائد درود پاک اور ۷۰ معجزات کا منظوم براہوئی بیان]۔[۵۲]

اگرچہ مولوی عبداللہ درخانی کی متذکرہ تصانیف میں اردو، فارسی عربی، براہوئی، مشترک الفاظ و رسم الخط کے علاوہ کوئی قابل ذکر اردو تصنیف ندارد ہے تاہم ان کی اشاعتی کاوشوں نے علمی ماحول کو بیدار کر رکھا۔ یوں متاخرین عربی، فارسی اور براہوئی دانی کے سبب اردو کی طرف بسہولت راغب ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس عہد میں حضرت علامہ محمد عمر دین پوری (۱۲۱۸ھ/۱۸۸۱ء۔ ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء) بن عطا محمد پندرانی، متوسطین پندران مستونگ، بلوچستان کے آسمان علم پر ماہ شب چہاردہم کی طرح طلوع ہوئے۔ انھوں نے بجانب غرب ۳۵ میل از شکارپور قصبہ ''دین پور'' کو درس گاہ بنایا۔ دین پور تحریک خلافت کا مرکز رہا جہاں سے علامہ موصوف کی ہمراہی میں ایک قافلہ افغانستان گیا۔ انھوں نے ۵۲ کتب و کتابچے جو اکثر براہوئی میں ہیں، شائع کرائے۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں قرآن مجید کا ۱۴۳۸ صفحاتی براہوئی ترجمہ شائع کیا۔ براہوئی ماہنامہ ''الحق'' جاری کیا۔ ۱۹۴۶ء میں تڑبینٹ مولہ خضدار میں سکونت گزین ہوئے اور دو سال بعد وہیں داصل بحق ہوئے۔ اہل خانہ دین پور میں مقیم رہے۔ ان کی فہرست تصانیف خاصی طویل ہے۔ کچھ کا تعارف درج ذیل ہے:۔ آئینہ قیامت (۱۹۳۶ء)، صفحات ۱۱۲، [احوال زلزلہ کوئٹہ ۱۹۳۵ء وتلقین برائے اعمال صالحہ]۔ اشتہار مع حسرت اظہار (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۱۶، [وفات نامہ حضرت مولانا محمد فاضل درخانی رئیسانی]۔ اصل الایمان [ارکان اسلام کی وضاحت]۔ اعلان واجب البیان نمبر ۱ (۱۹۲۱ء) صفحات ۸، [مطالعہ قرآن وحدیث کی تلقین]۔ الحق، ماہنامہ (رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء) صفحات ۲۴، [احوال ام شریف وام حنیف علی الرغم مراد خاتون وہزارناز ھ]۔ بچڑا (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۶۴، [ترجمہ رسالہ امام غزالی]۔ پند نامہ۔ تحفۃ الامرا (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) صفحات ۵۶، [طبقہ امرا کو قرآن و سنت کی روشنی میں دینی فرائض سے آگاہی]۔ ترجمہ نماز فرائض (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) صفحات ۲۴، [دربار وضو، تیمّم وغیرہ]۔ تعلیم الاسلام (۱۷ محرم ۱۳۱۹ھ) صفحات ۱۸۰، [حمد ونعت، اسلامی تعلیمات کے سوال و جواب منظوم]۔ تفسیر پارہ تیس (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) صفحات ۴۰۔ تفسیر پارہ چہارم (۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) صفحات ۳۲۰۔ تنبیہ الضالین۔ تنبیہ الغافلین (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۱۶، [شاعری ونثر، ابیات دربارہ اسلامی عقائد]۔ ثبوت الحجاب بالدلائل والانتصاب، حصہ اوّل (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۱۱۲، [پردہ کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل]۔ جہالت بانو (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) صفحات ۳۴، [جہالت زوجہ ابلیس قرار دی گئی جو اپنی تعریف کر کے لوگوں کو گمراہ کرتی ہے۔ تمثیلی اور فنی نوعیت کی تصنیف ہے]۔ حفظ الایمان (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء) صحات ۱۲۸، [مولوی محرم علی تصنیف ''سینا'' کا منظوم براہوئی ترجمہ]۔ داستان ابلیس (۱۲ شوال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) صفحات ۶۴، [ابلیس اور ایک بزرگ کے مابین تمثیلی مکالمہ]۔ داستان ورنائی (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۱۶، [جوانی کی غفلت شعاری نیز شیب وشاب کا تقابل]۔ دافع الوسواس (۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء) صفحات ۵۶، [شرعی احکامات کی صراحت]۔ رسالہ دینیات، حصہ اوّل (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۳۲، [دربار عقائد دین سوالاً، جواباً]۔ رسالہ دینیات، حصہ دوم (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۷ء) صفحات ۴۰، [دربارہ عقائد دین، طہارت و وضو سوالاً جواباً]۔ ریل نامہ (۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء) صفحات ۳۲ [احوال حیات وسفر ریل]۔ سودائے خام (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء) صفحات ۱۲۶، [فارسی نعت، غزلیات]۔ شرح اصول ستہ (۱۳۶۵ھ/ صفحات ۱۲۸۔ فی الفراق (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۳۲، [حمد، نعت، غزلیات]۔ قاعدہ براہویہ (۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) صفحات ۲۴، [نوشتہ درعربی رسم الخط]۔ قرآن مجید مترجم بزبان براہوئی (۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) صفحات ۱۸۳۸۔ کریما (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) صفحات ۲۰، [منظوم ترجمہ، حمدیہ اشعار، مغفرت کی دعا والتجا]۔ مثال حال (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء)، گلزار ہند سٹیم پریس لاہور، صفحات ۳۶، [نظم ونثر، دینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امور کی وضاحت]۔مجموعہ ضبطہ [اس میں تمام سال کے خطبات درج ہیں]۔محمود نامہ۔مخ العبادہ (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۱۱۲، [درباره قبولیت دعا، بحوالہ قرآن وحدیث] مشتاق مدینہ (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) صفحات ۴۰، [حمد ونعت، مولود شریف، غزلیات۔اس میں عبدالکریم مینگل کی دس غزلیات، مولود، نعت اور مناجات بھی شامل ہیں]۔مفتاح القرآن فی براھی لسان (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء) مطبع رفاہ عام، لاہور، صفحات ۱۸۴، [تفسیر پارہ الم۔نیز دیگر پارہ با ۲ تا ۵، ۱۵، ۱۹، ۲۷ تا ۳۰ کی تفاسیر بھی الگ الگ پیش کی گئیں ہیں]۔مفرح القلوب (۱۳۳۲ھ) [مولود، مناجات، غزلیات، ۵۸۰ اشعار]۔ملا اڑانا (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) صفحات ۱۴۴، [گھر کا مولوی، جو مسائل دینی سے اہل خانہ کو آگاہ کرتا ہے، مسائل کفن دفن]۔مونس عشاق (۱۳۴۹ھ) صفحات ۴۸، [نعتیہ کلام]۔نصیحت نامہ (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) صفحات ۲۴، [منظوم ترجمہ مناجات بہ درگاہ قاضی الحاجات]۔نصیحت نامہ (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) صفحات ۶۶، [نعت ومنقبت خلفائے راشدین]۔نماز فرائض (۱۳۱۹ھ) صفحات ۲۴، [ترجمہ]۔وبیض الطیب فی ذکر نور الحبیبؐ (۱۳۵۲ھ) صفحات ۱۹۳، [اسوۂ حسنہ محمد ﷺ از عہد تا لحد]۔ہدایات قادریہ (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء) صفحات ۴۰، [حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نصائح]۔ہدایت المستورات (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) صفحات ۳۲، [خواتین کے دینی مسائل]۔[۵۳]

اگرچہ مولانا محمد عمر دین پوری کی براہوئی تصانیف میں بھی اردو براہوئی مشترک الفاظ اور رسم الخط کے علاوہ کوئی قابل ذکر اردو تصنیف ناپید ہے تاہم ان کے مکتب نے ایسی شخصیات کو جنم دیا جنھوں نے بعد میں اردو نگاری میں قابل ذکر پیش رفت کی۔ان میں ان کے اخلاف بھی شامل ہیں۔مولانا موصوف پر بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ کے لیکچرر محمد یوسف رودینی نے ۲۰۰۷ء میں ۲۹۲ صفحاتی مقالہ ایم فل بہ عنوان: ''مولانا محمد عمر دین پوری کی علمی وادبی خدمات، تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' اردو میں پیش کیا۔

۱۹۳۲ء میں اندرون کوہ سلیمان کے بلوچ قبائل نے: فارسی نویسی سے اردو نگاری کی جانب پہلو بدلا۔قبل ازیں قدیم الایام سے اراضیاتی دستاویزات، اقرار نامے، یادداشتیں، وصایا اور مخلوطات کو فارسی میں لکھنے کا رواج چلا آ رہا تھا، اسے یکسر ترک کر کے، نجی اراضیاتی دستاویزات ومخطوطات کے لیے اردو نگاری کا طریقہ اپنایا گیا، جیسے کہ:

> ''باعث تحریک آنکہ۔منکہ عظیم ولد مانہ خان از طرف والدم خود مانہ خان وکیل ومختیارم کہ یک قطعہ اراضی مشہور چکین زام واقع است اج برضا مندی خود اراضی چکین زام گٹہ شمالی مسدودہ شدہ کی تبادلہ پہلے مسمی تکہ خان ولد یعقوب خان متوفی کے ساتھ کر چکا تھا جس کی عویض میں اراضی سومینوالہ حصہ تگہ خان وجمنہ خان پسران یعقوب کی سالم حصہ لیا جس کی حدود علیحدہ کاغذ پر تحریر ہے اور اج اقرار نامہ اولاد تگہ خان کی طرف سے چچا بہار خان ولد یعقوب خان برادر تگہ خان متوفی مختیار ہو کر اراضی سومینوالہ کی تحریر کردی ہے۔... کانذالک تحریر فی التاریخ 15-5-32'' [۵۴]

بیسویں صدی کے اوّلیں قرن میں میر یوسف علی عزیز مگسی، بلبل بلوچستان کی طرح فضائے بلوچستان کو اردو شعر گوئی اور نثر پاروں سے گرماتے رہے۔۱۹۳۳ء میں کراچی کے اردو ''اخبار البلوچ'' میں بلوچستان کا اردو نقشہ شائع کیا گیا جس میں ایرانی بلوچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاقہ، قلات، دیگر بلوچستانی ریاستیں، برطانوی بلوچستان، ڈیرہ غازی خان اور صوبہ سندھ کو اردو میں دکھایا گیا۔ ۱۹۳۳ء میں جھنگ کے محمد حیات خان بیدار رند بلوچ نے بلوچ تاریخ: ''احسن البیان یعنی تواریخ بلوچاں'' اردو میں شائع کرائی جہاں متن میں بلوچی عبارت کا ترجمہ دیا گیا۔ اسی تصنیف میں جھنگ کے غلام جعفر پتافی بلوچ نے دوصفحاتی تقریظ مع زوردار نصیحتی قطعۂ تاریخ، اردو میں رقم کیا جیسے:

بیدار، سونے والوں کو، کرنے کے واسطے — آئی ہے لے کے تری بقا احسن البیاں
احسان مند قوم کو اب ہونا چاہیے — مدت تلک ادارہ ہی اور بے نشاں
ہستی سنبھال، مستی خواب گراں کو چھوڑ — یاور تری ہوئی ہے کتاب دُرر فشاں
ہم کو ہوئی ہے تیری حقیقت کی اب خبر — یورش تری نے لاکھ مٹائی تھیں ہستیاں
ہے تیری شان پاک نمایاں جہان میں — زندہ ثبوت ہے تری [عظمت] کا سیتاں
تجھ سے یگانگت ہی کی دنیا میں رشک تھی — گو اب غیوریت میں ہے تو سرنگریاں (کذا)
ہے خوش نصیب پھر تری بہبودی کے لیے — سامان کر چکے ہیں محمد حیات خاں
لازم ہے اب تجھے کہ رذائل کو چھوڑ دے — کافی ہے تیرے درس کو یہ بحر بے کراں
جعفر چوں گفت ہاتف غیبی بریں سخن — ظاہر نمود سال کتاب ''احسن البیاں'' (۱۹۳۳ء) ۵۵

۳ ستمبر ۱۹۳۳ء کو کاہان کے میر مٹھا خان خضر مری نے اپنی اردو نظم ''شاعر اور قوم'' البلوچ، کراچی میں شائع کرائی۔ ۱۹۳۴ء میں ڈینس برے نے براہوئی ڈکشنری شائع کرائی۔ ۱۹۳۴ء او ۱۹۳۶ء میں بلوچ شاعر اپنے گھروں اور مساجد کے کتبے اردو اشعار میں لکھتے نظر آتے ہیں، جیسے رسول پور احمدانی، راجن پور کے عبدالرشید ارشد (پ ۱۸۸۱ء) بن احمد بخش احمدانی بلوچ نے اپنے گھر میں اردو اشعار کا کتبہ نیم مسجد شریف کا قطعہ سال تکمیل لکھا جو آج بھی مرقوم ہیں:

''دیکھیے آج گلشنِ احمد — مظہرِ رازِ قدرتِ ایزد
شمس و پیر و فرید و احمد سے — ہے منوّر ستارۂ احمد
یا الٰہی سدا بہار رہے — گلشنِ احمد اور خزاں ہو رد
ہے مزین رسول پور میں آج — زینت و زیبِ منزلِ ارشدؔ''

''خوشا پھرتے ہیں آج برنا و پیر — کہ مسجد بنی ہے بہت دل پذیر
کیا صرف اس پر زرِ مشترک — ہوئے اس میں شامل غریب و امیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ہاتف سے پوچھا عمارت کا سال   بتایا عجب مسجدِ بے نظیر" (۱۹۳۶ء) ۵۶

فروری ۱۹۳۴ء میں نوشکی بلوچستان کے شاعر میر گل خان صاحب اپنی قومی نظم "آ گیا وقت امتحان بلوچ" اخبار البلوچ کراچی میں شائع کرائی۔ ۱۶؍اپریل ۱۹۳۴ء کو بلوچ نوجوان شعرا نے اخبار "بلوچستان جدید کراچی" میں اردو نظمیں شائع کرائیں جن میں: آزاد ذگر مینگل [میر گل خان نصیر] کی نظم "داستان غم" شامل تھی۔ انھوں نے اپنی ایک اور نظم "دردِ وطن" ۸؍جون ۱۹۳۴ء کو شائع کرائی۔ ۸؍مئی ۱۹۳۴ء کو مچھ بولان کے محمد حسین عنقا نے اپنی نظم "وفائے جافا نما" بلوچستان جدید کراچی میں شائع کرائی۔ انھوں نے اپنی دوسری نظم "مصرع طرح" بھی ۲۴ مئی ۱۹۳۴ء کو اسی اخبار میں شائع کرائی۔ دونوں بلوچ شعرا کی تخلیقات توانا لہجے کی مؤثر منظومات تھیں جو بلوچستان میں اردو شاعری کی نوید فصلِ بہار کے طور پر سامنے آئیں۔ ۵۷

دسمبر ۱۹۳۴ء میں نسیم تلوی (استاد پیر بخش) سکنہ تلی نے محمد حسین عنقا کی تصنیف "رحیل کوہ" میں پانچ صفحاتی "تعارف" شائع کرایا۔ یہ تعارف اس تصنیف کے طبع ثانی میں صفحہ ۵۹۔۶۳ پر درج ہے۔ پیر بخش ۱۹۳۳ء میں میٹرک کے بعد استاد تعینات ہوئے۔ بعدہ کراچی میں جا کر صحافت سے منسلک ہوئے۔ دہلی سے اخبار "ینگ بلوچستان" جاری کیا اور پھر اسی نام سے ۲۸؍اکتوبر ۱۹۳۴ء کو کراچی سے جاری کیا۔ ۱۹۵۸ء میں اخبار "بلوچستان جدید" کراچی سے جاری کیا۔ ۱۹۵۹ء میں مشرقی پاکستان دورے پر گئے۔ واپسی پر لاہور میں حرکت قلب بلند ہونے سے قلب بند ہونے سے انتقال ہوا۔ صحافی ہونے کے ساتھ وہ اردو شاعر بھی تھے۔ ان کی نظم "ذرا انقلاب دیکھ" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

"آتا ہوا جہان میں تو انقلاب دیکھ   سردار ڈر رہے ہیں ذرا اضطراب دیکھ
جرگہ کے قصرِ ظلم میں آیا ہے زلزلہ   اس کشمکش کو دیکھ ثواب و عذاب دیکھ
مظلوم کی ہے آہ جو پہنچی ہے عرش پر   ظلمت کے اس افق پہ ذرا ماہتاب دیکھ
کہتے ہیں سازشی ہمیں مطلب پرست سب   ہر اصلیت کا اٹھ کے رہے گا نقاب دیکھ" ۵۸

"ترے ملک و وطن کو یہ بری رسمیں ڈبو دیں گی   مگر افسوس پھر بھی ان کا تو محکوم ہوتا ہے
صداقت اور باطل میں ہمیشہ جنگ رہتی ہے   ظفر حق کی یقینی ہے، تو کیوں مغموم ہوتا ہے" ۵۹

اگست، ستمبر ۱۹۳۶ء میں ڈیرہ غازی خان کے خان محمد بزدار متعلم ایس وی نے اپنا چار صفحاتی تعلیمی مضمون: "دیہاتی سکولوں میں جغرافیہ کی تعلیم" ماہنامہ نور التعلیم، گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ سے شائع کرایا۔ ۲۰؍اگست ۱۹۳۷ء کو مچھ کے محمد حسن نظامی بلوچ برادر محمد حسین عنقا نے اپنا نثری مضمون: "فلسفی اور پیمبر" سالنامہ الحنیف جیکب آباد سے شائع کرایا۔ انھوں نے ۲۸؍اپریل ۱۹۳۸ء کو اپنا مضمون "سرداران بلوچستان توجہ فرمائیں" بھی اسی اخبار میں شائع کرایا۔ ۳۰؍مئی ۱۹۳۸ء کو میر عبدالعزیز کرد بلوچ نے علامہ اقبالؒ سے اپنی ملاقات کا احوال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

،اپنے مضمون ''قطب عالم، عارفِ ہند، حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ'' روزنامہ احسان لاہور اقبال نمبر میں شائع کرایا۔[۶۰]

۲۳ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو ڈیرہ غازی خان کے فدا محمد خان حجانہ نے دوست محمد حجانہ کے کتابچہ ''تاج برطانیہ کی خیر مسلمان طلبہ کی دعا'' کے طبع ثانی میں اپنی ایک صفحاتی اردو تمہید شائع کرائی۔ انھی ایام میں میر گل حسن خان حریم اوستوی (پ ۱۹۲۰ء)، کانڈوری جھل مگسی، اردو کے میدان میں اترتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اوستہ محمد اور سبی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۹ء میں مدرس تعینات ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں لکھنؤ گئے۔ ادیب فاضل کیا۔ ۱۹۳۹ء میں منظر نگاری سے بھرپور اردو نظم ''زیارت کا نظارہ'' (بلوچستان میں قائد اعظم کی آخری قیام گاہ) ''پھول'' لاہور میں شائع کرائی جو بچوں میں مقبول ہوئی۔ نظم کے چند اشعار دیکھیے:

''رنگین ہیں فضائیں مخمور کن ہوائیں — کہسار کے سروں پر چھائی ہوئی گھٹائیں
چاروں طرف سے بادل کیسا گھرا ہوا ہے — بجلی چمک رہی ہے، پانی برس رہا ہے
کلیاں کھلی ہوئی ہیں، سبزہ لہک رہا ہے — ہے کیف سا ہوا میں، جنگل ہرا بھرا ہے
واللہ یہ نظارہ دل کو لبھا رہا ہے — آنکھوں میں حیرتوں کی دنیا بسا رہا ہے''[۶۱]

انھوں نے ۱۹۴۶ء میں نظم ''خطاب بہ قلعہ میر چاکر'' بھی لکھی۔ موصوف ''ادارہ ادب سبی'' کے محافظ ریکارڈ رہے۔

اپریل ۱۹۴۱ء میں استاد اللہ داد قیصرانی ساکن کوٹ قیصرانی ڈیرہ غازی خان نے صادق ایجرٹن کالج بہاول پور کے مجلّہ ''نخلستان'' میں علامہ اقبال پر ۳ صفحاتی مضمون ''اقبال اور مسلم'' لکھا۔ ۱۹۴۶ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج ڈیرہ غازی خان کا قیام عمل میں آیا جہاں بلوچ پروفیسر اردو مضامین کی تدریس اردو میں کرانے لگے۔ اسی عہد میں سندھ کے حیدر بخش جتوئی (۱۹۰۰ء۔۱۹۷۰ء) سکنہ باخو ڈیرہ، لاڑکانہ، سیاست، ادب اور شاعری میں نمایاں رہے۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں بمبئی یونیورسٹی سے بی اے آنرز کیا۔ سرکاری ملازمت اختیار کی۔ ڈپٹی کلکٹر رہے۔ ۱۹۴۵ء میں ملازمت کو خیر باد کہا۔ سندھی زبان میں اعلیٰ شاعری کی۔ ۱۹۴۶ء میں سندھ ہاری کمیٹی کے صدر بنے۔ سات برس تک اسیر بنائے گئے۔ ۱۹۴۶ء میں ایک بہت طویل نظم ''آزادی قوم'' لکھی۔

تقسیم برصغیر سے قبل ۲۷ر نومبر ۱۹۴۶ء اندرون بلوچستان میں آباد بلوچ قبائل کے دو سب سے بڑے سردار: سردار دودہ خان مری اور نواب زادہ سردار محمد اکبر بگٹی: ریاست بلوچستان کے ہز ہائی نس خانِ قلات سے اردو میں مراسلت کرتے نظر آتے ہیں، جیسے:

> ''ہم تمنداران قبائلی علاقہ، بلوچستان یعنی مری اور بگٹی کچھ عرصے سے محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارے علاقے کے خاص حالات کو ہندوستان کی نئی آئین سازی میں بطریق احسن مدنظر نہیں رکھا گیا۔ ہمارے خیال میں ہمارے قبائلی مفاد و تمندرانہ نظام کے لیے یہ امر اشد ضروری ہے کہ ہم اپنا نظریہ قبائلی علاقہ کے خاص حالات و ضروریات کے تحت گورنمنٹ عالیہ و ہندوستانی سیاسی لیڈروں کے سامنے پیش کریں تا کہ ہمارا مفاد مکمل غور کے بغیر نظرانداز نہ ہو جائے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہمارا قبائلی علاقہ جو حدود برٹش انڈیا سے باہر ہے، ایک گروپنگ سسٹم کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبائلی علاقہ ہائے پنجاب سے علیحدہ کر کے قلات سٹیٹ کے ساتھ ایک فیڈریشن کی صورت ملحق کر دیا جائے۔ اور ہز ہائی نس خان آف قلات کے زیر سایہ ایک فیڈریشن میں لایا جائے۔ ہماری آزادی کو بحال رکھا جائے اس مقصد کے حصول کے لیے ہم متفقہ طور پر سر جمال خان لیغاری اور وزیراعظم ریاست قلات کو تمام آئندہ میٹنگوں، کمیٹیوں، اسمبلیوں، میں جو کہ ہندوستانی کانسٹی ٹیوشن بالخصوص قبائلی علاقہ کی آئین سازی کے لیے بلائی جائیں، اپنے نمائندگان خاص امور کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ مورخہ ۲۷/نومبر ۱۹۴۶ء۔

دستخط: سردار بہادر دودہ خان مری سربراہ تمندار مری۔

دستخط: نواب زادہ سردار محمد اکبر خان بگٹی، تمندار بگٹی۔

دستخط سردار محمد جمان لغاری۔'' ۶۲؎

اس عہد میں بلوچ خاتون تاج بانو ۱۹۵۱ء۔ ۶ فروری ۱۹۹۷ء/۲ رمضان ۱۴۱۷ھ) بنت مولانا محمد عمر پندرانی دین پور میں تصنیفات شائع کر رہی تھیں۔ اس بلوچ عالمہ، ادیبہ اور شاعرہ نے مجموعی طور پر ۳۸ براہوئی، ۷ بلوچی، ۲ فارسی اور ۳ اردو کتب و کتابچے تالیف کیے۔ براہوئی، بلوچی اور سندھی میں ان کی نظمیں بصورت ثلاثی موجود ہیں۔ دینی موضوعات پر ان کی تصانیف میں: تسویغ النسواں (براہوئی) جلد اوّل، مطبوعہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء، صفحات ۶۴۔ تسویغ النسواں (براہوئی)، جلد دوم مطبوعہ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء، صفحات ۶۴، معروف ہیں جن میں حمد و نعت، منقبت، مرثیہ، اخلاقی غزل اور دینی موضوعات شامل ہیں۔ ۶۳؎

۱۶/نومبر ۱۹۴۶ء کو مستونگ سے بہرام مینگل نے اپنی نظم ''بلوچ قوم سے خطاب'' اخبار الحق سبی میں شائع کرائی۔ ۳/جون ۱۹۴۷ء کو خان قلات نے قلات کو خود مختاری کا اعلان کیا۔ تقسیم برصغیر سے قبل استاد اللہ بخش خان بلوچ اپنی یادگار منظوم اردو تصنیف: شاہ نامہ بلوچ'' (مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۸ء) مکمل کر چکے تھے۔

تدریسی حوالے سے بلوچ اساتذہ کی خدمات قابل حوالہ ہیں کہ ۱۴/اگست کو تقسیم برصغیر کے بعد بلوچستان کے ۱۳۰ پرائمری، ۱۶ مڈل اور ۱۱ ہائی اسکولوں میں جہاں بلوچ اساتذہ تدریسی خدمات پر مامور تھے، اردو میں پڑھائے جانے والے مضامین اردو میں پڑھائے جا رہے تھے۔ اسی طرح ۱۹۹۶ء میں بلوچستان کے ۲۸ اضلاع: قلات، مستونگ، کوئٹہ، خضدار، نوشکی، چاغی، کیچ، پنجگور، نصیر آباد، جعفر آباد، بولان، جھل مگسی، سبی، ڈیرہ بگٹی، کوہلو، آواران، خاران، گوادر، واشک، لسبیلہ، موسیٰ خیل، بارکھان، لورالائی، ژوب، قلعہ سیف اللہ، پشین، زیارت کے ۹۲۹۲ مدارس میں: ۶۹۰۶ پرائمری مدارس برائے طلبہ، ۱۳۹۵ برائے طالبات: ۵۲۹ مڈل اسکول برائے طلبہ، ۱۱۲ برائے طالبات، ۲۸۵ ہائی اسکول برائے طلبہ، ۶۵ برائے طالبات، نیز ۱۴ ڈگری کالج برائے طلبہ ۲ برائے خواتین، ۱۷ انٹر کالج برائے طلبہ، ۸ برائے خواتین، ایک زرعی کالج، ایک کمرشل انسٹی ٹیوٹ، ایک پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ، ۶ ایلیمینٹری کالج برائے طلبہ، ۳ برائے خواتین، ایک کالج آف ایجوکیشن، ایک میڈیکل کالج، ایک انجینئرنگ یونیورسٹی، ایک جنرل یونیورسٹی کے من جملہ ۲۹۲۳۸۳ اساتذہ میں شامل بلوچ اساتذہ، اردو میں پڑھائے جانے والے مضامین اردو میں پڑھا رہے تھے۔ ۶۴؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح ۲۰۰۰ء میں ڈیرہ غازی خان ڈویژن کوہ سلیمان کے بلوچ علاقے میں: دس ہائی اسکول برائے طلبہ، دو برائے طالبات، ۱۵ مڈل اسکول برائے طلبہ، ۳ برائے طالبات، ۲۷۲ پرائمری اسکول برائے طلبہ بشمول ۴۴ مکتب سکول، ۸۸ برائے طالبات، ۱۲۵ ہائی اسکول اساتذہ، ۱۴۴ مڈل اسکول اساتذہ، ۱۰۷ پرائمری اسکول اساتذہ: اردو مضامین کی تعلیم اردو میں دے رہے تھے۔ لمحہ موجود ۲۰۱۰ء میں بھی پاکستان کے چاروں صوبوں میں جہاں بلوچ اساتذہ تدریسی خدمات پر مامور ہیں، اردو میں پڑھائے جانے والے مضامین، اردو میں پڑھا رہے ہیں، تدریسی حوالے سے بلوچوں کی طرف سے فروغ اردو کا ایک دائمی سلسلہ تشکیل پا چکا ہے۔ گورنر بلوچستان نے ۶ رمئی ۱۹۷۲ء کو دفاتر میں اردو خط و کتابت کے لیے حکم نامہ جاری کیا۔۱۹۷۳ء سے بلوچستان اسمبلی اردو کو صوبے کی سرکاری زبان قرار دے چکی ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد اردو بولنے والوں کی ایک کثیر تعداد ہندوستان سے بلوچستان، بلوچوں کے آباد کردہ شہر کراچی (کلاچی) اور ڈیرہ غازی خان وغیرہ میں سکونت گزین ہوئی جہاں بلوچ، اردو بولنے والوں کے توسط سے اردو زبان سے وسیع تر پیمانے پر آگاہ ہوئے۔ اردو کو قومی زبان قرار دے کر اسے سرکاری مدارس میں لازمی مضمون قرار دیا گیا جہاں اسکول پڑھنے والا ہر بلوچ بچہ اردو آشنا ہوا۔ یوں سینکڑوں بلوچ تعلیم یافتہ ہو کر اردو اہل قلم کی انجمن میں شامل ہوئے۔ یوں بلوچ قوم میں اردو کے ایک نئے عہد اور دبستان کا آغاز ہوا۔ تقسیم برصغیر کے تاریخی موڑ کے بعد بلوچ اہل قلم کی نوشتہ اردو تصنیفات کی برسات شروع ہوگئی جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ تعداد ہر روز فزوں سے فزوں تر ہوتی جا رہی ہے۔

حواشی:

۱۔ ہتورام، بائے رائے بہادر لالہ، ''تاریخ بلوچستان''، طبع سوم، لاہور، وکٹوریہ پریس ربلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۰۷ء ر دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۳۴۔

۲۔ ٹی جے ایل میسٹر رعبدالرحمٰن براہوئی: مترجم، ''عہدی بلوچی شاعری''، طبع دوم، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۷۔۱۹۰۶ء ر جنوری ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۔

۳۔ خدا بخش بجارانی، ''قدیم بلوچی شاعری: ۱۳۰۰ء سے ۱۹۰۰ء تک''، بزم ثقافت، کوئٹہ، ۱۴ر جون ۱۹۶۳ء، ص ۳۸۔

۴۔ کھوسہ صاحب، ''کہن عیں بلوچی شاعری''، (غیر مطبوعہ)، بلوچی تحقیق مرکز، مخطوطہ نمبر ۸۵، ڈیرہ غازی خان، ۱۴ ۱۹۸۴ء، ص ۲۸۔

۵۔ Long Worth Dames, M (1907) Popular Poetry of the Baloches, Londdon, Folk Lore Society, David Nutt, 57-59 Long Acre, P.59

۶۔ روزنامہ ''جنگ'' سنڈے میگزین، ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۷ء۔

۷۔ Long Worth Dames, M (1907) Popular Poetry of the Baloches, P.17.

۸۔ A. H. Diack (3rd March 1998) Gazetteer of the Dera Ghazi Khan District 1893-97, Revised Edition, Lahore, Civil and Military Press, P: 21.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۔ گل بدن بیگم/رشید اختر ندوی: مترجم،''ہمایوں نامہ''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۱۹۸۵ء،ص۷۶۔

۱۰۔ Long Worth Dames, M (1907) Popular Poetry of the Baloches, P.39.

۱۱۔ منشی حکم چند،''تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان''،طبع دوم،انڈس پبلی کیشنز،کراچی،۱۸۷۶ء/۱۹۹۲ء،ص۹۲۔

۱۲۔ نور محمد گنجابوی/آغا نصیر خان: تدوین،''جنگ نامہ تحفۃ النصیر''پاکستان اسٹیڈیز ڈیپارٹمنٹ،یونیورسٹی آف بلوچستان،کوئٹہ،جولائی ۱۹۹۰ء،ص۱۲۳۔

۱۳۔ بحوالہ: ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ''سندھ میں اردو شاعری''،طبع سوم،ناظم مجلس ترقی ادب،لاہور،جون۱۹۷۸ء،ص۴۵۔

۱۴۔ ایضاً،ص۵۲۔

۱۵۔ ایضاً:ص۵۵۔

۱۶۔ ماہ نامہ''ڈیفنس ڈائجسٹ''،راول پنڈی،،ج۱،ستمبر۱۹۹۰ء،ص۸۰۔

۱۷۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر''بلوچستان میں اردو''طبع،دوم،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،جون۱۹۹۴ء،ص۱۳۹۔

۱۸۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ،محولہ بالا،ص۱۰۳۔

۱۹۔ ایضاً،ص۱۰۵۔

۲۰۔ ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر''بلوچستان میں فارسی شاعری''،بلوچی اکیڈمی،کوئٹہ،۱۹۶۸ء،ص۶۵۔

۲۱۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ،محولہ بالا،ص۱۰۵۔

۲۲۔ ایضاً،ص۱۲۹۔

۲۳۔ ایضاً،ص۱۱۰۔

۲۴۔ ایضاً،ص۱۱۴۔

۲۵۔ ایضاً،ص۱۱۶۔

۲۶۔ ایضاً،ص۱۵۰۔

۲۷۔ ایضاً،ص۱۷۷۔

۲۸۔ ہتورام،رائے بہادر لالہ،''تاریخ بلوچستان''،ص۱۰۴۔

۲۹۔ پروفیسر عزیز محمد بگٹی،''بلوچی مزاحمتی شاعری''،قاسم بک ڈپو،آرچر روڈ،کوئٹہ،۱۹۹۶ء،ص۸۷۔

۳۰۔ کریم بخش پروانہ ''غیر مطبوعہ بلوچی کلام''،بلوچی تحقیق مرکز،مخطوطہ نمبر۶،ڈیرا غازی خان،۱۹۷۸ء،ص۲۴۔

۳۱۔ اللہ بخش قیصرانی،''غیر مطبوعہ بلوچی کلام''،بلوچی تحقیق مرکز،مخطوطہ نمبر۹۶،ڈیرا غازی خان،۱۹۸۸ء،ص۱۱۔

۳۲۔ عبدالقدیر علوانی،''غیر مطبوعہ بلوچی کلام''،بلوچی تحقیق مرکز،مخطوطہ نمبر۵۹۶،ڈیرا غازی خان،۲۰۰۴ء،ص۱۲۔

۳۳۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ،محولہ بالا،ص۱۲۰۔

۳۴۔ ایضاً،ص۱۸۱۔

۳۵۔ ایضاً،ص۱۹۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۶۔ ہتورام/اجمل شیر خان بلوچ/عزیز محمد بگٹی: مرتبین، ''بلوچی نامہ''، (فارسی)، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، ۱۹۹۸ء/ بار اوّل مرتبہ ۱۸۷۵ء ص ۳۔

۳۷۔ شجرہ نسب بندوبست قانونی سال ۱۸۷۲ء موضع کوٹ قیصرانی، تحصیل سنگھڑ، ضلع ڈیرہ غازی خان، ریکارڈ، نقول، برانچ، ص ۲۔

۳۸۔ ہتورام، ''تاریخ بلوچستان''، محولہ بالا، ص ۴۱۱۔

۳۹۔ ڈاکٹر بنی بخش خان بلوچ، محولہ بالا، ص ۲۶۴۔

۴۰۔ ایضاً، ص ۲۵۹۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۲۷۹۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۲۶۷۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۳۱۴۔

۴۵۔ اثیر عبدالقادر شاہوانی، ''مکتبہ درخانی''، مشمولہ، ماہ نامہ انس بلوچی، اسلام آباد، اگست، ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۵۔

۴۶۔ عبدالرحمٰن براہوئی، ''قدیم براہوئی شعر''، ا، حصہ اوّل، براہوئی اکادمی، کوئٹہ، ۱۹۶۸ء، ص ۵۱۔

۴۷۔ قدیم قبائلی دستاویزات، مخزونہ، بلوچی تحقیق مرکز ڈیرا غازی خان، مخطوطہ نمبر ۶۶۵، ص ۴۱۔

۴۸۔ بلوچ اراضیاتی دستاویزات، مخزونہ، بلوچی تحقیق مرکز، ڈیرہ غازی خان، مخطوطہ نمبر ۶۶۷، ۲۰/فروری ۱۹۰۲ء، ص ۳۔

۴۹۔ ڈاکٹر بنی بخش خان بلوچ، محولہ بالا، ص ۳۴۲۔

۵۰۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۲۔

۵۱۔ ''جرگہ داستانہ''، مخزونہ، بلوچی تحقیق مرکز، ڈیرہ غازی خان، مخطوطہ نمبر ۹۷، ۲۹۔۱۹۲۸ء، ص ۲۔

۵۲۔ عبدالرحمٰن براہوئی، ''قدیم براہوئی شعرا''، حصہ اوّل، محولہ بالا، ص ۱۰۴۔

۵۳۔ ایضاً، ص ۹۷۔

۵۴۔ ''تمسکات اراضی جدی قیصرانی''، مخزونہ، بلوچی تحقیق مرکز، ڈیرا غازی خان، مخطوطہ نمبر ۶۶۶، ۲۹۔۱۹۲۸ء، ص ۴۔

۵۵۔ محمد حیات خان بیدار، ''احسن البیان''، رفیق عام پریس لاہور، ۱۹۳۳ء، ص ۱۱۹۔

۵۶۔ ڈاکٹر محمد شکیل پتافی، ''جنوبی پنجاب میں اردو شاعری: آغاز سے ۱۹۰۰ء تک''، جلد اوّل، جھوک پبلشرز، ملتان، اگست ۲۰۰۸ء، ص ۲۷۳۔

۵۷۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں اردو''، محولہ بالا، ص ۳۶۸۔

۵۸۔ ڈاکٹر عشاہ محمد مری، ''میر یوسف مگسی''، سنگت اکیڈمی آف سائنسز، کوئٹہ، اگست ۲۰۰۸ء، ص ۲۴۱۔

۵۹۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں اردو''، محولہ بالا، ص ۳۶۶۔

۶۰۔ ''صحیفہ اقبال نمبر''، (حصہ اوّل)، شمارہ ۶۵ مجلس ترقی ادب، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۱۔

۶۱۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ''بلوچستان میں تذکرہ اردو''، شمارہ ۶۵، ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان، کوئٹہ، اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص ۲۶۴۔

۶۲۔ میر نصیر احمد خان، ''تاریخ بلوچ و بلوچستان''، جلد ۷، سریاب روڈ، کوئٹہ ۱۸، ۲۰۰۰ء، ص ۲۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۳۔ عبدالرحمٰن براہوئی،''براہوئی زبان وادب''مشمولہ:بولان نامہ،اسلامیہ پریس،کوئٹہ،۱۱رجون ۱۹۶۷ء،ص ۹۲۔

۶۴۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر رپروفیسر انور رومان،''بلوچستان آزادی کے بعد''،کوئٹہ،اگست ۱۹۹۷ء،ص ۱۴۸۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ براہوئی،عبدالرحمٰن:۱۹۶۸ء،''قدیم براہوئی شعرا''،حصہ اوّل،براہوئی اکادمی،کوئٹہ۔

۲۔ بگٹی،عزیز محمد:۱۹۹۶ء،''بلوچی مزاحمتی شاعری''،قاسم بک ڈپو،کوئٹہ۔

۳۔ بلوچ،خان،نبی بخش،ڈاکٹر:جون ۱۹۷۸ء،''سندھ میں اردو شاعری''،طبع سوم مجلس ترقی ادب،لاہور۔

۴۔ بیدار،خان،محمد حیات:۱۹۳۳ء،''احسن البیان یعنی تواریخ بلوچاں''،رفیق عام پریس،لاہور۔

۵۔ بیگم،گل بدن:۱۹۸۵ء،مترجم:شید اختر ندوی،''ہمایوں نامہ''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۶۔ پتافی،شکیل،محمد،ڈاکٹر:۲۰۰۸ء،''جنوبی پنجاب میں اردو شاعری:آغاز سے ۱۹۰۰ء تک''،جلد اوّل،جھوک پبلشرز،ملتان۔

۷۔ خان،غلام رسول:۱۹۲۵ء،''تاریخِ بلوچاں یا بلوچ پنجاب میں''،خواجہ عبدالرحمٰن،عبدالحنان تاجران کتب، امرتسر۔

۸۔ دستی،محمد اسماعیل:۹۔۲۰۰۸ء،مترجم:ڈاکٹر محمد صادق بلوچ،''بلوچ تاریخ اور عرب تہذیب''،جمال دینی اکیڈمی،کراچی۔

۹۔ زئی،خان،نصیر احمد،:۲۰۰۰ء،''تاریخ بلوچ و بلوچستان''،جلد ۷،ناشر ندارد،کوئٹہ۔

۱۰۔ منشی،حکم چند،اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر(۱۸۷۶ء/۱۹۹۲ء)تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان،طبع دوم،انڈس پبلی کیشنز،کراچی۔

۱۱۔ مری بلوچ،بجارانی،خدابخش،میر:۱۹۶۳ء،''قدیم بلوچی شاعری ۱۳۰۰ سے ۱۹۰۰ء تک''بزم ثقافت،کوئٹہ۔

۱۲۔ مری،شاہ محمد،ڈاکٹر:۲۰۰۹ء،''میر یوسف عزیز مگسی''، سنگت اکیڈمی آف سائنسز،کوئٹہ۔

۱۳۔ کوثر،انعام الحق،محمد:۱۹۹۴ء،''بلوچستان میں اردو''،طبع دوم،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد۔

۱۴۔ ________:۱۹۸۶ء،''بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات''،مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۱۵۔ ________:۲۰۰۶ء،''بلوچستان میں تذکرہ اردو''،ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان،کوئٹہ۔

۱۶۔ ________:۱۹۶۸ء،''بلوچستان میں فارسی شاعری''،بلوچی اکیڈمی،کوئٹہ۔

۱۷۔ ________،پروفیسر انور رومان:۱۹۹۷ء،''بلوچستان آزادی کے بعد''،ناشر ندارد،کوئٹہ۔

۱۸۔ گنجابوی،نور محمد،علامہ:۱۹۹۰ء،تدوین:قاضی آغا نصیر خان احمد زئی،''جنگ نامہ تحفۃ النصیر''،پاکستان اسٹڈیز سینٹر،بلوچستان یونیورسٹی،کوئٹہ۔

۱۹۔ مری بلوچ،بجارانی،خدابخش،میر:۱۹۶۳ء،''قدیم بلوچی شاعری ۱۳۰۰ تے ۱۹۰۰ء تک''بزم ثقافت،کوئٹہ۔

۲۰۔ مری،شاہ محمد،ڈاکٹر:۲۰۰۹ء،''میر یوسف عزیز مگسی''، سنگت اکیڈمی آف سائنسز،کوئٹہ۔

۲۱۔ منشی،حکم چند،اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر(۱۸۷۶ء/۱۹۹۲ء)تواریخ ضلع ڈیرہ غازی خان،طبع دوم،انڈس پبلی کیشنز،کراچی۔

۲۲۔ میئر،ٹی جے ایل:۷۔۱۹۰۶ء/جنوری ۱۹۷۶ء،مترجم:عبدالرحم براہوئی،''عہدی بلوچی شاعری''،بلوچی اکیڈمی،کوئٹہ۔

۲۳۔ ہتورام:دسمبر ۱۹۸۷ء،''تاریخ بلوچستان''،طبع سوم،بلوچی اکیڈمی،کوئٹہ۔

۲۴۔ ہتورام،اجمل شیر خان بلوچ رعزیز محمد بگٹی،مرتبین:۱۹۸۸ء/۱۸۷۵ء،''بلوچی نامہ''،فارسی،بلوچی اکیڈمی،کوئٹہ۔

© rasailojaraid.com